مصنف کتاب ہذا

کی

پہلی تصنیف

"لخلخۂ محامد" طبع ثانی

۱۳۵۸ھ

جس میں

حمد، نعت شریف، مدح صحابہ کرام، مناقب اہل بیتِ عظام و اولیائے عالی مقام کی ایسی دلکش روح پرور غزلیں اور جمنسے ہیں جن کو سنکر اور پڑھ کر اہلِ ذوق وجد میں آجاتے ہیں

صاحبدل حضرات

جلد از جلد اس متبرک دیوان کو حاصل کر کے جذبۂ عشق رسول اور اپنے جذبۂ روحانی کو تازہ کریں۔ ورنہ تیسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔ لکھائی چھپائی دیدہ زیب، کاغذ سفید چکنا، سائز ۲۰×۳۰/۱۶، ان تمام خوبیوں کے باوجود۔ قیمت:۔ صرف چار روپے -/۴

خادم احمد حسین خلف مصنف ممدوح محلہ سدّام امروہوی

کتبۂ مرغوب جمیل رقم امروہوی، جولائی ۱۹۷۰ء

۴۰ ۶ ۱۹

اپنی زباں سے میں

مشتمل بر سوانح حیات

زائرِ حرمین شریفین الحاج ماسٹر حافظ عبدالرؤف صاحب رؤف امروہوی

ناشر

احمد حسین سیفی خلف مصنف ممدوح

محلہ سدّو امروہہ

ملنے کے پتے

احمد حسین سیفی محلہ سدو — منشی صدر الحسن تاجر کتب محلہ گھیر منان

نیشنل بکڈپو محلہ گذری — خورشید بک ڈپو محلہ گذری

مطبوعہ کوہ نور پریس دھلی
۱۹۷۰ء

بار اوّل — ایک ہزار — قیمت -/2

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اِنتساب

میں اپنی اس ناچیز تالیف

موسوم بہ

اپنی زباں سے میں

کو

مقرب بارگاہِ احدیت و مخاطب سرکارِ رسالتؐ

سعیدِ ازل

عزیز القدر وقار الاسلام سلّمہ ولد بدر الاسلام

مرحوم ساکن محلہ دستار سیاہ امروہہ ضلع مرادآباد کے

نامِ نامی سے معنون و منسوب کرتا ہوں۔

احقر رؤفؔ امروہوی (مؤلّف)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

سببِ تالیف

ناظرین کرام!

سفرِ حج سے واپسی پر سب دوست احباب ملاقات کے لئے تشریف لائے عالیجناب مولانا نسیم احمد صاحب فریدی نے بھی قدم رنجہ فرمایا۔ نظمِ واپسی سُن کر بہت خوش ہوئے، کچھ عرصہ بعد غریب خانہ کی طرف سے گزر رہے تھے کہ ملاقات ہو گئی، فرمانے لگے کہ آپ کی ایک نعت آپ کے پوتے زبیر سلمہٗ نے ایک جلسہ میں پڑھی تھی اس کا مقطع مجھے بہت پسند آیا دو مرتبہ پڑھوایا، اُس نعت کو سُننے کا اشتیاق ہے۔ میں اُنھیں مکان کے اندر لے آیا نعت شریف سُن کر بہت مسرور ہوئے اور بڑی ہمت افزائی فرمائی۔ اس عرصہ میں قاری فرید احمد صاحب دہلوی بھی دہلی سے بطورِ اظہارِ عقیدت ایک سپاس نامہ بہت حسین فریم میں فٹ کرا کر لا چکے تھے، اُس سپاس نامہ کا مضمون بھی میں نے اُنھیں سُنایا جس میں ایک نظم جوہر جے پوری کی تھی اور ایک قطعہ تاریخ رضی بدایونی کا تھا۔

سُن کر فرمانے لگے کہ ایک نظم تم پڑھ کر گئے تھے جسمیں تین بتیس شعر تھے، دوسری نظم وایسی ہے اس میں بھی قریب قریب اتنے ہی اشعار ہیں۔ سپاس نامہ میں ایک نظم جو ہر جے پوری کی ہے، احمد حسین سیفی اور ساجد حسین ساجد سلمہانے بھی اپنی استقبالیہ نظموں میں عقیدت کے نذرانے پیش کئے ہیں اُن سب نظموں کو مرتب کر کے طبع کرادو تو بہت مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اس سے تقریباً ایک ماہ بعد بابو ظہیر احمد خانصاحب جلسۂ نعت خوانی کے ایک بہت پرانے قدرداں سے جو ایک عرصہ سے باہر اپنے مریدوں میں تھے سر راہ ملاقات ہوگئی، فرمانے لگے کہ میں نے شیوپور میں ایک مقرر کی تقریر میں آپ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طلبی پر مدینہ منورہ جانے کا واقعہ سُنا آپ کا نام سنتے ہی مجھے بڑی مسرت ہوئی، مقرر صاحب کی تقریر کا موضوع حُبِّ رسول صلعم تھا۔ صوفی رفیق احمد آسی کی دوکان سامنے ہی تھی اسمیں خود بھی بیٹھے اور مجھے بھی بٹھا لیا اور فرمایا کہ اب مجھے بتایئے کہ حضورؐ کی یادآوری کی کیا صورت پیش آئی تھی۔ میں نے جب اُن کو تفصیلِ واقعہ سنائی تو کہنے لگے کہ صرف اتنا ہی قلم بند نہ کیجئے بلکہ اپنی زندگی کے تمام واقعات اور اپنے پیرومرشد کے جملہ حالات، اُن کے مکاشفات اور اُن کی کرامات سب ضبطِ تحریر میں لے آئیے۔ آپ کی اس صورت سے طلبی بھی ایک اہم اور سبق آموز واقعہ ہے جس کو پڑھ کر مسلمانوں کی آنکھیں کھُلیں گی، حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ

اُبھرے گا اور آپ داخلِ حسنات ہوں گے، اُس وقت مجھے جلیل مانکپوری جانشین امیر مینائی لکھنوی کا یہ مقطع یاد آگیا جو اپنے یہاں جلسۂ نعت خوانی میں اکثر سُنا ہے ؎

صرف حُبِّ نبوی حشر میں کام آئی جلیل
طاعتیں آئیں نہ زہد آیا نہ تقوےٰ آیا

ان ارشادات و ترغیبات نے ایک خود نوشت سوانح حیات لکھنے پر مجبور کیا اللہ تعالیٰ اس کو حُسنِ قبول عطا فرمائے اور یہ تالیف مؤلف کے لئے توشۂ آخرت بنے۔

خاندان اور ابتدائی تعلیم

قارئینِ محترم! فقیر سراپا تقصیر عبد الرؤف بن مرزا شفیع اللہ بیگ مرحوم عرض پرداز ہے کہ میں ۱۹۴۰ء میں امروہہ محلہ سدو کے مغلوں کے ایک خاندان میں پیدا ہوا۔ ناسمجھی کا زمانہ ختم ہونے پر یاد ہے کہ قرآن شریف گردن میں حمائل کئے ہوئے مولوی علی احمد صاحب مرحوم کی مکتب کی طرف جو بھٹی کی مسجد میں تھی چلا جا رہا ہوں۔ جب ناظرہ قرآن کی تعلیم ختم ہوئی تو حافظ محمد صادق صاحب[1]

---

[1] حافظ محمد صادق صاحب مرحوم میرے استاد تھے صرف حافظ قرآن ہی نہ تھے بلکہ علم کلام منطق، فلسفہ حدیث تفسیر کے فارغ التحصیل محدث امروہوی مولانا سید احمد حسن صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور بڑے خوش الحان نعت خواں بھی جلسۂ نعت خوانی کے پہلے پندرہ سال تک تادمِ حیات شرکت جلسہ فرماتے رہے۔

مرحوم کے اس کمرہ میں جانے لگا جو اس مکتب کے برابر ہی تھا اور جہاں وہ حفظِ قرآن کی تعلیم دیتے تھے چنانچہ قرآن شریف حفظ کرنا شروع کر دیا۔

ابھی قرآن ختم نہ ہونے پایا تھا کہ والد صاحب کے حکم پر معہ اپنی والدۂ مرحومہ اور بھائی مرحوم کے کوہِ آبو جانا پڑ گیا، وہاں باقی قرآن حفظ کرنے کے سلسلہ میں ایک حافظ صاحب کی خدمت میں جو اجمیر شریف کے رہنے والے تھے پہنچا دیا گیا، تقریباً ایک سال بعد وطن کو واپسی ہوئی چودہ پندرہ سال کی عمر ہوگی جو محلہ کی مسجد میں پہلی محراب سنائی، مولوی محمد امین صاحب فاضلِ دیوبند، پیر جی رُوح الامین صاحب کے فرزندِ ارجمند تھے جو تراویح کا خاص طور پر اہتمام و انصرام فرماتے تھے۔ اس کے بعد پھر مولوی علی احمد صاحب کی مکتب میں جو اب محلہ گذری میں منتقل ہو گئی تھی جانے لگا اور گلزارِ دبستاں شروع کر دی

(بقیہ صفحہ ۵) سعدی علیہ الرحمۃ کی یہ غزل خاص طور سے پڑھتے تھے اور جلسہ پر ایک عجیب کیف و وجد کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔

آبِ حیاتِ من است خاکِ درِ کوئے دوست | ہر دو جہاں خرمی چشمِ من در روئے دوست
اے نفسِ صبحدم منتظرت ماندہ ام | یا بہ راز من پیام یا برساں بوئے دوست
گر بہ زمینِ دگر دفن تنِ من کنند | زیر زمیں راہ کنم سر بکشم سوئے دوست

لاف مزن سعدیا شعر تو چوں سحر شد
سحر نخواہد رسید غمزۂ جادوئے دوست

تھوڑے عرصہ بعد والد صاحب نے پھر کوہ آبو بلالیا، وہاں سے ریاست
جودھ پور آنے کا اتفاق ہوا یہاں والد صاحب نے ریاست کے اسکول میں
انگریزی شروع کرادی، چند ماہ بعد امروہہ آگیا اور ماسٹر ظفر علی صاحب
کے وسیلہ سے جو نور المدارس امروہہ میں انگریزی کے اُستاد تھے تیسرے
درجہ میں داخل ہو گیا جب وہ نور المدارس سے امام المدارس میں منتقل ہوئے
تو میں بھی اُن کے ساتھ امام المدارس میں آگیا اور درجہ ۴ میں داخل ہو گیا
یہ سال غالباً ۱۹۰۹ء تھا، اب تعلیم باضابطہ اور باقاعدہ شروع ہو گئی۔
اس مدرسہ میں درجہ ۷ تک تعلیم دی جاتی تھی جب میں ساتویں درجہ میں تھا
اور سالانہ امتحان کا وقت آیا تو ماسٹر یعقوب علی خاں صاحب ساکن نہٹوری
نے جو گورنمنٹ ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے امام المدارس کے ہیڈ ماسٹر صاحب
کو بذریعہ تحریر مطلع کیا کہ آپ اپنے درجہ ۷ کے طلباء کو ہمارے اسکول کے درجہ
کے طلباء کے ساتھ امتحان میں بٹھا دیں کامیاب طلباء کو ہم بے پس و پیش
آٹھویں درجہ میں داخل کر لیں گے، ان کا درجہ ۸ میں داخلہ اسی طرح ممکن ہے
ورنہ نہیں۔ چنانچہ امام المدارس سے تین طالب علم۔ میں، سیفر احمد ساکن محلہ نگلہ
اور علی احمد ساکن محلہ گذری شریکِ امتحان ہوئے اور صرف میں کامیاب ہوا سیفر احمد
اور علی احمد فیل ہو گئے۔ میں اگلے سال گورنمنٹ ہائی اسکول کے درجہ ۸ میں داخل
ہو گیا۔ اب امام المدارس کے اساتذہ اور ارکانِ مدرسہ مجھے اپنے مدرسہ کا

مایۂ ناز طالب علم تصور کرنے لگے۔ میرا اختیاری مضمون فارسی تھا اور اس مضمون میں دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ ششماہی امتحان میں ممتحن صاحب نے ایک مختصر سی عبارت انوارِ سہیلی کی ترجمہ کرنے کے لئے دی جس کے آخر میں یہ شعر تھا ؎

سالہا دل چون صبا طوفِ ریاضِ دہر کرد
در فضائے او گلے گر یافت بے خارے نیافت

میں نے اس کا ترجمہ کر دیا۔ وہ ترجمہ اُسی صفحہ پر ختم ہو گیا۔ اگلے صفحہ پر ورق پلٹ کر میں نے لکھا کہ حضرت شمس الدین حافظؔ شیرازی علیہ الرحمہ اس مضمون کو اس طرح فرماتے ہیں۔ ؎

حافظا از بادِ خزاں در چمنِ دہر مرنج
فکرِ معقول بفرما گلِ بے خار کجاست

ممتحن صاحب نے اس سوال کے دس نمبر رکھے تھے۔ ترجمہ پر آٹھ نمبر دے ہوئے ورق لوٹ کر تائید میں حافظ کا یہ شعر دیکھا تو باقی دو نمبر بھی دیدیئے اور اتنے متاثر ہوئے کہ دوسرے دن آٹھویں کلاس میں تشریف لائے اور جو اُستاد اس وقت پڑھا رہے تھے اُن سے دریافت فرمایا کہ عبدالرؤف طالبعلم کونسا ہے، اُستاد نے میری طرف اشارہ کیا۔ میں اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔ ممتحن صاحب میرے پاس تشریف لائے، سر پہ بڑی شفقت سے ہاتھ رکھا۔ شاد باش فرمایا۔ بڑی مسرت کا اظہار کیا، اور دُعائیں دیتے ہوئے چلے گئے۔

اس غیر معمولی استعداد کا سبب یہ تھا کہ جب میں چوتھے درجہ میں تھا تو مولوی سید رضا حسن صاحب استادِ فارسی نور اللہ مرقدہٗ نے جو محلہ مجا پوتہ میں رہتے تھے اور شیعہ مذہب رکھتے تھے مجھ سے قرآنِ پاک سن کر اور اس سے متاثر ہو کر فرمایا کہ تم گلستاں خرید لاؤ میں تمہیں گلستاں مدرسہ کے اوقات کے علاوہ پڑھاؤں گا میں بازار سے گلستاں خرید لایا اور اُن سے گلستاں پڑھنا شروع کر دی، جب درجہ ۶ میں میں نے اختیاری مضمون فارسی لیا تو یہ مضمون آمدنامہ سے شروع ہوا۔ میں اب تک گلستاں کے کئی باب پڑھ چکا تھا اور یہ آمدنامہ سے کہیں آگے کی تعلیم تھی۔ غرض فارسی سے اتنا شغف رہا کہ دیوانِ حافظ کی بہت سی غزلیں ساتویں درجہ میں برزبان تھیں، آٹھویں درجہ سے جب نویں درجہ میں آیا تو پانچواں نمبر تھا اور جب نویں سے دسویں درجہ میں آیا تو تیسرا نمبر تھا یعنی بتدریج ترقی ہو رہی تھی۔

اجمیر شریف میں حاضری

یہ ۱۹۱۴ء تھا۔ اس سال دیوانگی کی راہ جس پر میں اب تک گام زن ہوں پہلا قدم اس طرح رکھا گیا کہ حضرت خواجۂ خواجگاں سید معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ نواں درجہ پاس کر چکا تھا، گرمیوں کی تعطیل ہو گئی تھی کہ دادی صاحبہ کے پاس اُن کے بھائی کا لفافہ آیا جس کے اندر ایک ریلوے کا دو سواریوں کا پاس بھی رکھا ہوا تھا۔ اُن کے بھائی لوکو میں ملازم

تھے اور اپنی ہمشیرہ کو ہر سال اجمیر شریف عرس کے زمانہ میں بُلایا کرتے تھے، پاس بھیجتے تھے اور بڑی منت و سماجت سے اُن سے اجمیر شریف تشریف لانے کی درخواست کیا کرتے تھے مگر یہ اب تک کبھی اجمیر شریف نہیں گئی تھیں، اس سال جبکہ ان کی عمر چھہتر سال کی تھی انھوں نے اجمیر شریف جانیکا ارادہ کرلیا، اور تقریباً پندرہ سولہ پوتوں اور نواسوں میں اپنے ہمراہ لے جانے کے لئے نظر انتخاب مجھ پر ڈالی، میں اُن کے ساتھ اجمیر شریف حاضر ہوا، عرس کا زمانہ تھا خوب لطف اندوز ہوا، وہاں پندرہ روز قیام رہا، صبح کا شام کا، دن کا رات کا غرض درگاہ شریف میں عرس کے ہر ہر وقت کا سماں دیکھا۔ قوالی کی محفلوں میں شرکت کی، بادشاہوں کی بنائی ہوئی عمارات دیکھیں، اکبری مسجد کا منظر سامنے آیا اور شاہجہانی مسجد میں نمازِ جمعہ ادا کی۔ دیگوں کا لٹنا دیکھا اور وہ کھانا خوب سیر ہو کر کھایا جو دیگوں میں سے نکلتا تھا۔ قلب و نظر میں درگاہِ معلیٰ کے فیض و برکات محسوس ہوئے اور بہت شاداں و فرحاں اجمیر شریف سے واپس ہوا۔

سنہ ۱۹۱۶ء میں انٹرینس کا امتحان دیا اور جب نتیجہ اخبار میں دیکھا گیا تو اپنے درجہ میں اوّل نمبر تھا۔ تقسیم انعامات کے موقع پر پہلا انعام حاصل کیا جس پر امام المدارس کے ارکان نے بھی فخر و مباحات کا اظہار کیا۔

ایم، اے، او کالج علیگڑھ میں داخلہ

مولوی سید فضل ستار صاحب جو

جو لامؔ ہاتی تخلص فرماتے تھے۔ اور گورنمنٹ ہائی اسکول میں فارسی کے ہیڈ مولوی تھے اور نویں دسویں درجہ میں مجھے فارسی انھوں نے ہی پڑھائی تھی۔ میری اس کامیابی پر اتنے خوش ہوئے کہ ایک روز نواب مشتاق حسین صاحب وقار الملک مرحوم کی خدمت میں لے گئے اور مجھے ان کے سامنے پیش کرکے فرمانے لگے کہ میری یہ خواہش ہے کہ اس کا داخلہ ایم، اے، او کالج میں ہوجائے آپ ایک سفارشی خط ڈول صاحب کو جو آجکل کالج کے پرنسپل ہیں عنایت فرمادیں تاکہ اس کو وہاں ممکن مراعات بھی حاصل ہوجائیں، اس کے والدین غیر مستطیع ہیں صاحب استطاعت لوگوں کی طرح کالج میں داخلہ نہیں کرا سکتے نواب صاحب کالج کے ٹرسٹی رہ چکے تھے، فوراً اپنے داماد مولوی عبغتہ اللہ صاحب کو بلایا، ڈول صاحب کو ایک سفارشی خط لکھوایا اور مولوی سید فضل ستار صاحب کی خدمت میں پیش کردیا، میری بڑی ہمت افزائی فرمائی اور مسرت کا اظہار کیا۔ کچھ عرصہ بعد نواب صاحب داصل بحق ہوگئے رحمۃ اللہ علیہ۔

جب مولوی فضل ستار صاحب سے ماسٹر یعقوب علی خاں صاحب ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول نے نواب صاحب کے سفارشی خط کا حال سنا تو انھوں نے بھی ایک خط بحیثیت ہیڈ ماسٹر ڈول صاحب کے لئے لکھا، یہ دونوں خط لے کر میں علی گڑھ داخلہ کے لئے روانہ ہوگیا چلتے وقت مولوی صاحب نے مجھے دو گنیاں عنایت فرمائیں اور کہا کہ تکلیف مت اٹھانا اور جب بھی واپسی ممکن ہو

کر دینا۔ جن کو میں نے کچھ عرصہ کے بعد شکریہ کے ساتھ ادا کر دیا۔ علی گڑھ میں محمود احمد صاحب عباسی مؤلف تاریخ امروہہ اور پروفیسر جلیل صاحب ساکنان امروہہ موجود تھے، اُنھوں نے وہ خطوط طول صاحب کی خدمت میں پیش کئے اور داخلہ بڑی آسانی سے ہو گیا اور جو ممکن رعایت تھی وہ بھی حاصل ہو گئی۔

حضرت جگر سے ملاقات

اب کالج حسب معمول تین ماہ کے لئے بند ہوا تو اپنے ایک دوست اختر حسین ساکن نگینہ کی درخواست پر مسلم اسکول نگینہ کی خدمت کے لئے نگینہ چلا گیا وہاں حضرت جگر سے ملاقات ہوئی جس کمرہ میں میں مقیم تھا وہیں وہ بھی فروکش ہوئے میز پر دیوانِ حافظ رکھا ہوا تھا جس کی پشت پر میری پہلی غزل لکھی ہوئی تھی جگر صاحب اٹھا کر پڑھنے لگے۔ یہی غزل باہمی تعارف کا ذریعہ ہوئی۔ چنانچہ مشہور مشاعرہ کے لئے جگر صاحب نے مجھ سے باصرار غزل لکھوائی اور خود بطیبِ خاطر اس پر اصلاح فرمائی، ترنم سے پڑھنا سکھایا اور میں نے مشاعرہ میں سب سے پہلے ایک شاعر کی حیثیت سے غزل پڑھی، اُنھوں نے شاعری کے سلسلہ میں کچھ ایسے نصائح فرمائے اور ایسی ہدایات دیں کہ مجھ کو میدانِ شاعری کی دشواریاں آسان نظر آنے لگیں۔ اور فرمایا کہ تمھیں کسی اُستاد کی ضرورت نہیں۔ تم پیدائشی شاعر ہو۔

جب کالج کھلا تو میں علی گڑھ چلا گیا فرسٹ ایر پاس کیا اور سکنڈ ایر میں

آگیا ۔ اس مرتبہ تعطیل میں اورنگ آباد ضلع بلند شہر کے ایک رئیس سید حاتم علی صاحب کے بچوں کے اتالیق کی حیثیت سے تین ماہ کے لئے اورنگ آباد آگیا۔ یہاں ایک شام کو سواری کرتے ہوئے گھوڑے سے گرا اور داہنی ٹانگ گھٹنے اور گٹے کے درمیان سے ٹوٹ گئی۔ پلنگ بول و براز کے لئے درمیان سے کاٹ دیا گیا۔ ساڑھے تین ماہ اسی صورت سے گزرے ۔ اُدھر کالج کھل گیا اور پڑھائی شروع ہوگئی ۔ انڈکٹیو لاجک جو میرے لئے بالکل نیا مضمون تھا سب میری بیماری کے عرصہ میں پڑھا دیا گیا ۔ انٹر کے امتحان میں اسی مضمون کی وجہ سے فیل ہوگیا ۔ اگلے سال پھر قسمت آزمائی کی اور پھر فیل ہوگیا ۔

تقدیر کا جب وار کیا دستِ قضا نے
تدبیر کا ٹوٹا ہوا بازو نظر آیا

پیرومرشد کیسے ملے

سنہ ۱۹۱۸ء میں جب تعلیم ختم کرکے واردِ امروہہ ہوا تو اپنے ساتھ ایک مرض لایا، صبح سے شام تک دردِ سر میں مبتلا رہتا، کھانے کے بعد فوراً ہی ایک چھوٹی سی اجابت ہوجاتی۔ جب مرض میں شدت ہوئی تو محلہ کے ایک حاذق طبیب حکیم راحت علی خانصاحب کی خدمت میں بغرض علاج حاضر ہوا اُنھوں نے بڑی توجہ سے علاج شروع کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا ۔ ایک ہفتہ کے بعد پھر حاضرِ خدمت ہوا اُنھوں نے نسخہ میں کچھ ترمیم فرمائی مگر افاقہ نظر نہ آیا۔ ایک ماہ گزر گیا۔ پھر حکیم علی احمد صاحب کی طرف رجوع کیا

تقریباً ایک ماہ اُن کا بھی علاج رہا مگر بے سود ثابت ہوا۔ ع

"مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"

آخر کار حکیم عبدالصمد صاحب ساکن محلہ قریشی کی جو اس زمانہ کے بڑے تجربہ کار اور مشہور طبیب تھے اور صوفی مشرب بھی تھے خدمت میں حاضر ہوا، اُنھوں نے پہلے معالجین کے نسخے بھی ملاحظہ فرمائے، بڑی توجہ سے حالات پوچھے اور علاج شروع کر دیا، معجونیں بنوائیں، مرکبات تیار کرائے، سفوف استعمال کرائے غرض تین ماہ اُن کے علاج کو بھی گزر گئے مگر مطلق فائدہ نظر نہ آیا، بلکہ شدتِ دردِ سر سے بھیجا سر کے اندر خشک ہوگیا اور ریاوام کی گری کی طرح ہلنے لگا۔ حکیم صاحب سے یہ حالت بیان کی گئی تو انگشت بدنداں تھے حیرت زدہ ہو کر بولے کہ اس سے بہتر علاج آپ کا ہو نہیں سکتا تھا۔ جو تشخیص آپ کے پہلے معالجین کی تھی وہی میری بھی تھی۔ یعنی ضعفِ معدہ، اب مشیئت میں کسی کو دخل نہیں۔ یہ سنتے ہی میں وہاں سے گھر آگیا۔ قنوطیت دل و دماغ پر ایسی مسلط ہوئی کہ کھانا بھی نہ کھایا بستر پر دراز ہوگیا۔ ایک بجے جب نمازِ ظہر کی اذان کی آواز کانوں میں آئی تو حسبِ عادت مسجد کی طرف چل دیا۔ مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ مسجد میں کوئی نمازی نہیں ہے میں نے تنہا ہی نماز ادا کی، دُعا کے لئے جو ہاتھ اُٹھائے تو زبان سے کوئی دعائیہ جملہ ادا نہ ہوا ہاں دونوں آنکھوں سے اشکوں کی جھڑی لگ گئیں۔ کب تک روتا آخر گھر کا رُخ کیا۔ اُس وقت مسجد کے اندر سے ایک

آواز آئی۔ "یہاں آؤ"۔ دیکھا تو جانے پہچانے محلہ کے ایک بزرگ وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔ میں ان کے پاس گیا بولے "ٹوپی اُتارو"۔ میں نے ٹوپی اُتار دی اُنھوں نے اپنی چاروں انگلیاں سر کے اُسی حصہ پر جہاں وہ سوکھا ہوا بھیجا ہلتا تھا رکھ دیں اور دم کر دیا۔ اور فرمایا "ہر صبح تم ہم سے مسجد میں آ کر دم کرا لیا کرو۔ روؤ مت اچھے ہو جاؤ گے"۔ ان کے اس جملہ سے ایسی تسکین ہوئی کہ میں نے گھر آ کر کھانا کھایا اور اب نا اُمیدی اُمید سے بدل گئی، صبح کو مسجد میں جا کر ہر روز دم کرا لیتا۔ ایک ہفتہ کے بعد بھیجے کی گٹھلی کے ہلنے میں کچھ کمی محسوس ہوئی، دوسرے ہفتہ میں اور کمی، تیسرے ہفتہ میں اور کمی غرض جسطرح اطباء کے علاج میں چھ ماہ لگے تھے، اُسی طرح دم کرانے میں بھی چھ ماہ لگ گئے، اب وہ درد سر بھی رفتہ رفتہ کافور ہو گیا وہ خشک بھیجے کا ہلنا بھی بند ہو گیا اور کھانے کے بعد کا دست بھی موقوف ہو گیا۔ جب مجھے بالکل صحت ہو گئی تو میں نے اُن سے دریافت کیا کہ قطب آج یہ بتا دیجئے کہ میرے اس مرض کے متعلق آپ سے کس نے کہا تھا۔ میرے بغیر بتائے آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ فرمانے لگے کیا تمہیں وہ دن یاد ہے جس دن تم مسجد میں رو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا خوب یاد ہے، بولے اُس وقت ہم موسیٰ علیہ السلام کے پاس تھے۔ اُنھوں نے تمہاری طرف متوجہ ہونے کا اشارہ کیا۔ ہم نے تمہارا علاج شروع کر دیا اور تم شفایاب ہو گئے۔ دیکھو اگر تم نے کسی پر اس واقعہ کو ظاہر کر دیا تو پھر ویسے ہی ہو جاؤ گے جیسے اُس دن تھے بلکہ اُس سے بھی بدتر

حالت ہوجائیگی اور پھر تمہارا کوئی سنبھالنے والا بھی نہ ہوگا، ہمارا اصلی کام یہی ہے جیسا حکم ملتا ہے ویسا کرتے ہیں، آری بسولہ دُنیا کے دکھانے کو لئے پھرتے ہیں، تمہارا یہ مرض جسمانی نہیں تھا طبیب بیچارے کیا کرتے۔ یہ تو اک بلا علی گڑھ سے تم اپنے ساتھ چپٹا کر لائے تھے۔ دیکھو اب گائے بھینس کٹڑے وغیرہ کا گوشت کھانا ترک کر دو اور مچھلی تو کبھی عمر بھر نہ کھانا۔ ہاں بکری کا گوشت کبھی جی چاہے تو کھا سکتے ہو۔ اب تم ہمارے پاس صبح کو مسجد میں آتے رہو کہنا مانو گے بھلا ہوگا نہ مانو گے اپنے کئے کو بھرو گے۔

دوسرے دن سے میں اُن کی خدمت میں حاضر ہونے لگا۔ پہلے ہی دن سوال کیا۔ صبح کی نماز کے بعد قرآنِ مجید کے کتنے پارے پڑھا کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ چار پانچ پارے روزانہ پڑھنے کا معمول ہے۔ فرمایا اتنے نہیں ایک پارہ پڑھا کرو۔ میں نے بہت اچھا تو کہہ دیا مگر چون و چرا کی ہمت نہ ہوئی۔ خود ہی غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا کہ اس طرح جلدی جلدی بے سمجھے بوجھے آدھے پون گھنٹہ میں چار پانچ پارے پڑھ لینا تو کوئی معنی نہیں رکھتا۔ یہ کتاب تو عالم کے نظام کا قیامت تک کے لئے ایک دستورالعمل ہے، اس کو سمجھ کر پڑھنا چاہیئے اور پھر اس پر عمل بھی کرنا چاہیئے۔ یہ خیال آتے ہی تاج کمپنی لاہور کو خط لکھا اور اک حسین مترجم حمائل شریف کی فرمائش کر دی۔ وہاں سے ایک ہفتہ کے بعد

مولوی فتح محمد صاحب سیالکوٹی کے ترجمہ کی حمائل شریف بذریعہ وی پی آگئی ترجمہ بامحاورہ سلیس اردو میں تھا، اب جو قرآن پاک سمجھ کر ترجمہ کے ساتھ پڑھنا شروع کیا تو تلاوتِ کلامِ الٰہی کی دنیا ہی بدل گئی ۔ اور اعلانِ قرآن کریم لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ" حرف بحرف صحیح ثابت ہو گیا زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کا اس میں ذکر نہ ہو، ابتدائے آفرینش سے لیکر اب تک کی حیاتِ انسانی کی مکمل تاریخ ہے ۔ انبیاء علیہم السلام کا دنیا میں تشریف لانا ان کا اپنی امتوں کو ڈرانا، امتوں کا نافرمانی کرنا اور نتیجہ میں برباد ہونا سب کچھ وضاحت کے ساتھ درج ہے ۔ شریعت کے طریقت کے معرفت کے حقیقت کے سارے ہی سبق اس میں ملتے ہیں، فارسی نے ترجمہ سمجھنے میں کافی امداد کی، ساٹھ سالہ متواتر تلاوتِ قرآن پاک نے بڑی حد تک جہالت کی تاریکی کو دور کیا، مگر یہ شکایت اپنے ضمیر سے آج تک موجود ہے کہ فارسی کے بجائے اختیاری مضمون عربی کیوں نہ لیا تھا یا حفظِ قرآن کے بعد ہی اسلامی عربی مدارس کی طرف کیوں توجہ نہ کی تھی ۔ لیکن اب پچھتائے کیا ہووت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت !!

یہ قطب صاحب میرے محلہ کے ایک بزرگ تھے، ان کا اسم گرامی حمایت اللہ تھا مگر شہر کا ہر فرد بچہ ہو یا بوڑھا ان کو قطب کے نام سے خطاب کرتا تھا ۔ درحقیقت وہ قطبِ وقت تھے اور فیض اللہ شاہ صاحب عرف فجو شاہ صاحب سے بیعت تھے جن کا مزار محلہ بیگم سرائے کلاں

مولوی فتح محمد صاحب سیالکوٹی کے ترجمہ کی حمائل شریف بذریعہ وی پی آگئی ترجمہ بامحاورہ سلیس اُردو میں تھا، اب جو قرآن پاک سمجھ کر ترجمہ کے ساتھ پڑھنا شروع کیا تو تلاوتِ کلامِ الٰہی کی دُنیا ہی بدل گئی ۔ اور اعلانِ قرآن کریم "لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ" حرف بحرف صحیح ثابت ہوگیا زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کا اس میں ذکر نہ ہو، ابتدائے آفرینش سے لیکر اب تک کی حیاتِ انسانی کی مکمل تاریخ ہے ۔ انبیاء علیہم السلام کا دنیا میں تشریف لانا ان کا اپنی امتوں کو ڈرانا، اُمتوں کا نافرمانی کرنا اور نتیجہ میں برباد ہونا سب کچھ وضاحت کے ساتھ درج ہے ، شریعت کے طریقت کے معرفت کے حقیقت کے سارے ہی سبق اس میں ملتے ہیں، فارسی نے ترجمہ سمجھنے میں کافی امداد کی، ساٹھ سالہ متواتر تلاوتِ قرآن پاک نے بڑی حد تک جہالت کی تاریکی کو دُور کیا، مگر یہ شکایت اپنے ضمیر سے آج تک موجود ہے کہ فارسی کے بجائے اختیاری مضمون عربی کیوں نہ لیا تھا یا حفظِ قرآن کے بعد ہی اسلامی عربی مدارس کی طرف کیوں توجہ نہ کی تھی ۔ لیکن اب پچھتائے کیا ہووَت جب چڑیاں چُن گئیں کھیت !!

یہ قطب صاحب میرے محلہ کے ایک بزرگ تھے، ان کا اسم گرامی حمایت اللہ تھا مگر شہر کا ہر فرد، بچہ ہو یا بوڑھا ان کو قطب کے نام سے خطاب کرتا تھا ۔ درحقیقت وہ قطبِ وقت تھے اور فیض اللہ شاہ صاحب عرف فجو شاہ صاحب سے بیعت تھے جن کا مزار محلہ بیگم سرائے کلاں

ہیں ہے، اُن کی قطبیت سے کوئی شخص واقف نہ تھا، مجھ سے انہوں نے ایسا عہد لیا تھا کہ اُن کے وصال کے بعد پچیس برس تک بھی مجھے کسی سے اس واقعہ کے بیان کرنے کی جُرأت نہ ہُوئی، نجاری ان کا آبائی پیشہ تھا ایسی وضع قطع میں رہتے کہ کسی کو گمان بھی نہ ہو کہ ایسی باکمال شخصیت ہیں۔ سنہ ۱۹۱۹ء سے ۱۹۳۳ء تک ہر روز صبح کو میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا جب اُن کے وصال کا وقت آیا تو میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ کے بعد یہ فیوض و برکات و تعلیمات کہاں حاصل ہوں گی، فرمایا ہمارے بعد شاہ علاءالدین صاحب رح کی خدمت میں حاضر ہوتے رہنا اور اُن کے بعد حضرت عبدالرحمٰن ملکی شاہ صاحب کی خدمت میں جانا۔ یہ فرما کر دوسرے یا تیسرے روز واصل بحق ہو گئے نوراللہ مرقدہٗ۔

اہل و عیال سے تعلقات عمداً ایسے رکھتے کہ وہ سب اُن کو نرا فاتر العقل سمجھتے، اپنا کھانا اپنے ہاتھ سے پکاتے اور غالباً یہ سب باتیں اس لئے تھیں کہ اہل دُنیا ان کو دِق نہ کریں اور اُن کا وقت خراب نہ ہو، مکاشفات کا عالم حیرت انگیز تھا جس کے لئے دفتر چاہئیں۔

حصول ملازمت بیماری سے فراغت پا کر روزگار کی تلاش تھی کہ ایک سرکاری مراسلہ ٹائپ شدہ چیف کمشنر اجمیر کے دفتر سے صادر ہوا یہ مراسلہ غالباً ایک درخواست کا جواب تھا جو بابو عبدالعزیز صاحب

ساکن محلہ ملّانہ نے جو کمشنر صاحب کے دفتر میں ہیڈ کلرک تھے میری طرف سے بغیر میرے علم کے دیدی تھی۔ مراسلہ کا مضمون یہ تھا کہ تمہارا تقرر گورنمنٹ پریس میں بحیثیت پروف ریڈر کوہ آبو پر کر دیا گیا ہے چالیس روپیہ ماہوار تنخواہ اور پانچ روپے سالانہ ترقی ہوگی۔ جلد سے جلد کوہ آبو جاکر اپنے عہدہ کا چارج لے لو۔ یہ مراسلہ دیکھ کر طبیعت بہت خوش ہوئی اسے لے کر فوراً حضرت قطب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور آبو جانے کے ارادہ کا اظہار بھی کر دیا فرمانے لگے کیسا آبو ہمیں تو تمہارا رزق گارامدرہ میں ہی چلتے پھرتے نظر آرہا ہے، وہاں مت جاؤ۔ میں نے گورنمنٹ سروس کی اہمیت بتائی اور کوشش کی کہ وہ اجازت دیدیں مگر بے سود۔ پھر وہاں سے آکر والدہ سے تذکرہ کیا۔ سنتے ہی فوراً منع کر دیا اور کہا کہ اتنی دور مت جاؤ۔ میں نے بہت سمجھایا کہ سرکاری ملازمت ہے سالانہ ترقی ہے، چالیس روپیہ ماہوار سے شروع ہے علاوہ ازیں بابو عبدالعزیز صاحب کہ جنہوں نے میرے لئے کوشش کی ہے میرے نہ جانے سے رنج ہوگا اور میں وہاں دو مرتبہ رہ بھی آیا ہوں۔ بولیں یہاں بھی تو تم پڑھانے جاتے ہو، یہاں کتنا کما لیتے ہو۔ میں نے کہا یہاں چار ٹیوشن ہیں پانچ پانچ روپیہ ماہوار کے۔ بولیں بیس روپے ہوگئے۔ گھر کی آدھی باہر کی ساری کی برابر ہوتی ہے۔ میں نے کہا، کہاں یہ عارضی ٹیوشن کہاں گورنمنٹ کی مستقل

ملازمت، پھر سالانہ ترقی اور پنشن۔ میں نے جتنا جانے پر اصرار کیا اتنا
ہی ان کا انکار شدت پذیر ہوتا گیا اور آخر رونے لگیں۔ والد صاحب
قبلہ بھی قریب ہی بیٹھے تھے فرمانے لگے کیا ان کو رلا کر جانے کا ارادہ ہے
یہ سن کر میں وہاں سے اٹھ گیا اور دروازہ میں آ کر سب کاغذات پھاڑ
ڈالے اور آبو جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ شرم کی وجہ سے دوسرے روز
قطب صاحب کی خدمت میں بھی حاضر نہ ہوا۔ اگلے روز مسجد میں گیا تو دروازہ
ہی میں تھا کہ دور سے دیکھ کر بولے "میاں کیا آبو ہو آئے؟ یہاں آ کر
اور دیکھو ایک ہفتہ میں کیا ہوتا ہے"۔ پورا ہفتہ نہ گزرنے پایا تھا کہ ایک
روز سید التقی حسن صاحب منیجر امام المدارس کا چپراسی آیا اور مجھ سے کہنے لگا
کہ منیجر صاحب نے آپ کو یاد فرمایا ہے میں نے جواب دیا کہ کل صبح سات بجے
حاضرِ خدمت ہو جاؤں گا۔ چپراسی چلا گیا اور میں حسبِ وعدہ وقتِ مقررہ پر
اُن کی خدمت میں حاضر ہو گیا وہ میرے منتظر بیٹھے تھے۔ فرمانے لگے کہ آپ نے
اس مدرسہ میں تعلیم پائی ہے کیا مدرسہ کا آپ پر کوئی حق ہے میں نے عرض
کیا ضرور ہے تو بولے کہ اس وقت مدرسہ آپ کی امداد کا محتاج ہے
صورتِ حال یہ ہے کہ گورنمنٹ نوے ۹۰ روپے ماہانہ گرانٹ دیتی تھی۔ مدرسہ
کو روبزوال دیکھ کر اس نے وہ گرانٹ بند کر دی ہے اور اب یہ حال
ہے کہ تیسرے، چوتھے، پانچویں چھٹے، ساتویں، آٹھویں چھ درجوں

ہیں صرف ۳۵ طالب علم پڑھ رہے ہیں، مدرسہ میں نو ۹ استاد ہیں پھر چپراسی کلرک مہتر پورا عملہ ہے مدرسہ آخری سانس لے رہا ہے اگر آپ کا مدرسہ میں تقرر ہو گیا تو مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ میری اسکیم کامیاب ہو جائے گی۔ میں نے یہ سارا حال سن کر عرض کیا کہ بندہ حاضر ہے، اس پر فرمایا کہ مدرسہ آپ کو تنخواہ کچھ نہ دے گا صرف بیس ۲۰ روپے ماہوار آپ کو پان کھانے کے لئے دیئے جائیں گے اور جس وقت گورنمنٹ گرانٹ بحال کر دے گی تو اسی مہینے سے آپ کی تنخواہ تیس روپیہ ماہوار کر دی جائے گی۔ شہر میں ٹیوشن آپ کتنے ہی کریں مدرسہ کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اسکول اب حکیم سلیم اللہ مرحوم کے دیوانخانے محلہ کوٹ میں منتقل ہو گیا ہے کیونکہ گورنمنٹ نے امام باڑہ یا کسی بھی مذہبی عمارت کو اسکول بنانے کی اجازت نہیں دی ہے لیجئے یہ یہ درخواست آپ کی طرف سے لکھی ہوئی رکھی ہوئی ہے اس پر دستخط کر دیجئے اور کل صبح سے اسکول میں تشریف لے آیئے، دوسرے روز میں اسکول گیا اپنا نام درج رجسٹر دیکھا اس پر دستخط کئے اور ہیڈ ماسٹر صاحب سے ضروری ہدایات پا کر کام شروع کر دیا۔ اب شہر میں میرے اسکول میں تقرر ہونے کی خبر ہوتے ہی اہل شہر اسکول کی طرف متوجہ ہوئے۔ اپنے بچوں کو تعلیم کے لئے بھیجنے لگے۔ تین مہینہ میں طلبا کی تعداد پچھتر ہو گئی.

اور گورنمنٹ نے وہ پہلی گرانٹ بھی بحال کر دی، تیسری تنخواہ کے مجھے تیس ۳۰ روپے ملے، اب ایک روز حضرت قطب صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ کتنا کما لیتے ہو، میں نے عرض کیا کہ چاروں ٹیوشن پہلے سے موجود ہیں اور تیس ۳۰ روپے اسکول سے ملتے ہیں پچاس روپے ایک مہینے میں حاصل ہو جاتے ہیں، بولے وطن میں اپنے والدین کے سایہ میں یہ پچاس روپے اچھے ہیں یا کہ وہ آبو کے چالیس روپے، وہ بھی پردیس میں اپنے اعزا و احباب سے دُور۔

چار شادیوں کی پیشین گوئی

مدرسہ میں تقرر کے تھوڑے ہی دن بعد ایک ہفتہ شدید بخار میں مبتلا رہ کر رفیقۂ حیات کا انتقال ہو گیا، داغ مفارقت سے متاثر میں حضرت قطب صاحب کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا، فرمانے لگے تم تو ایک ہی بیوی کے رنج میں اتنے مغموم ہو تمہاری چار شادیاں ہوں گی چنانچہ ۱۹۲۰ء میں دوسرا عقد ہوا، تیسرے سال محترمہ اہلیہ کا بھی انتقال ہو گیا اور ۱۹۲۳ء میں تیسری شادی ہوئی وہ بیوی بھی دس ۱۰ برس حیات رہیں، تین لڑکے اُن کے بطن سے وجود میں آئے، ایک کا تین سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ محمد حسین اور احمد حسین سلمہما دو لڑکے اُنہوں نے اپنی یادگار چھوڑے محمد حسین پاکستان جا کر ۱۹۵۱ء میں داغ مفارقت دے گئے۔ اب احمد حسین سلمہ اُن کی یادگار باقی ہے۔ ۱۹۳۳ء میں اس تیسری بیوی نے بھی مفارقت دوام اختیار کی اور اس سال کے آخر میں چوتھی شادی حاجی ممتاز احمد مرحوم محلہ قریشی دہلی

ہوئی اب یقین آیا کہ واقعی حضرت قطب نے صحیح فرمایا تھا۔ چنانچہ شاہ دیا نہیں رہے۔ اسی سال حضرت قطب نے بھی رحلت فرمائی۔ نور اللہ مرقدہٗ

جلسہ نعت خوانی کا انعقاد حضرت قطبؒ کی عادت تھی کہ ہر صبح ایک مٹی کے ظرف میں پانی بھر کر اُسے مسجد کی دیوار پر رکھ دیتے، چڑیاں اس سے دن بھر سیراب ہوتیں۔ یہ ظرف مسجد کے سقایہ پر چڑھ کر دیوار پر رکھا جاتا تھا۔ ایک روز سقایہ پر سے ان کا پیر پھسلا اور مسجد کی چوڑی نالی میں اسطرح گرے کہ کولھا اُتر گیا مسجد کے فرش پر دراز ہو گئے۔ کسی شخص سے کہا کہ عبد الرؤف کو بُلا دو۔ سنتے ہی میں فوراً مسجد میں گیا مجھ سے فرمایا کہ کہار ڈولی کو لے آؤ۔ اور ڈولی میں بٹھا کر اپنے مکان پر لے چلو۔ میں ان کو غریب خانہ پر لے آیا مکان کے ایک گوشہ میں اپنا مصلیٰ بچھایا اور اس پر لیٹ گئے اور مجھے حکم فرمایا کہ محلہ گنگوئی میں علیؔ نام کا ایک سقہ رہتا ہے مرہم پٹی کا کام کرتا ہے اُس کو بلا لاؤ۔ میں فوراً گیا اور اس کو اپنے ہمراہ لے آیا وہ اپنے فن میں بڑا ماہر تھا اور حضرت قطب صاحب سے پہلے ہی سے بے تکلف بھی اس نے بڑی ہوشیاری سے اُن کا علاج شروع کیا بارہ تیرہ دن تک وہ برابر آیا کیا۔ اور بالآخر ان کا کولھا چڑھ گیا۔ میں نے اُن کی دیکھ بھال کی اور تیمارداری کے فرائض حسب استطاعت انجام دیئے۔ علاج کے آخری دن دالان میں

چل کر اُنھوں نے اپنے کھٹے کی جانچ کی اور اس کی طرف سے مطمئن ہو کر مجھ سے فرمایا جاؤ تمہاری تفریح کا سامان ہوگیا اور جب تک نذہ ہو تفریح کئے جاؤ۔ اور اب تفریح کے لئے تمہیں کہیں آنے جانے کی ضرورت نہیں۔" میں اس تفریح کو سمجھ نہ سکا اور نہ اس کے سمجھنے کی کچھ فکر کی بظاہر تو یہ وقتی بات تھی جو اسی وقت ختم ہوگئی مگر آٹھ دس روز بعد دو شخص میرے پاس آئے ایک کا نام محمود علی تھا اور دوسرے کا چھدّا۔ محمود علی صاحب میرے دُور کے ایک رشتہ دار بھی تھے، مجھ سے فرمانے لگے کہ یہ چھدّا نعت خوانی میں میرا شاگرد ہونا چاہتا ہے۔ مگر اس مقدس تعلیم کے لئے مناسب مقام سمجھ میں نہیں آتا۔ سڑک پر پلنگ بچھا کر نعت خوانی کی توہین ہے۔ مسجد میں نمازی اجازت نہیں دیں گے آپ کا یہ نیا مکان اچھا معلوم ہوتا ہے اگر آپ اجازت دیں تو بعد نمازِ جمعہ ہم یہاں بیٹھ کر یہ شغلہ کر لیا کریں۔ پان چھالیہ فرش وغیرہ کا سب انتظام یہ چھدّا کریں گے آپ سے تو صرف اجازت چاہئے۔

میرے ایک چھوٹے بھائی تھے جن کا نام مرزا برکت اللہ بیگ تھا۔ نہایت سعادتمند خدمت گزار اور ہونہار تھے۔ دو تین ہفتہ پہلے آٹھ روز بیمار رہ کر پچیس سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ نہ میرے کوئی اولاد تھی نہ اُن کے کوئی بچہ تھا، اُن کا یہ سانحۂ ارتحال

میرے لئے بہت ہی جانکاہ اور ناقابلِ برداشت تھا۔ اس نئے مکان کی تعمیر مجھے فعلِ عبث معلوم ہو رہی تھی، دُنیا سے دل بالکل برداشتہ ہو چکا تھا، اس ماحول میں محمود علی صاحب کی درخواست پر میری زبان سے یہی نکلا کہ حضرت مکان آپ ہی کا ہے میرا نہیں ہے یہ سُن کر محمود علی صاحب بہت خوش ہوئے شکریہ ادا کیا اور دعائیں دیتے ہوئے چلے گئے۔ جمعہ کے دن جب میں نمازِ جمعہ سے فارغ ہو کر گھر آیا تو دیکھا کہ ایک خوبصورت جاجم بچھی ہوئی ہے اور وہ دونوں حضرات اپنے مشغلہ میں مصروف ہیں۔ چھالیوں کا بٹوہ اور پانوں کی ڈبیہ سامنے رکھی ہوئی ہے اور یہ نعت شریف ع

وہ خبر جلد پانچ دل کی

زیرِ مشق ہے۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کی مصروفیت کے بعد دونوں رخصت ہو گئے۔ اگلے جمعہ کو پھر یہی منظر دیکھا، اُس سے اگلے جمعہ کو بھی یہی صورت نظر آئی۔ جب اس شغل کے متعلق صاحبِ حال وقال ایک بزرگ نے جن کے روابط والدِ بزرگوار سے بہت دیرینہ تھے سنا تو بے تکلف بغیر کسی اطلاع کے ایک اور نعت خواں کو اپنے ساتھ لئے ہوئے غریب خانہ پر تشریف لے آئے اور محمود علی سے فرمایا کہ میاں اُستادی اور شاگردی اب ختم کر دو میرے ہمراہ مرزا خلیل بھی آئے ہیں تینوں برابر برابر بیٹھ کر نمبروار نعت شریف

پڑھو۔ انہوں نے اُن کے ارشاد کی بطیب خاطر تعمیل کی۔ یہ بزرگ صوفی
راحت علی صاحب کے دادا حافظ سخاوت علی صاحب مرحوم تھے۔ ہر جمعہ کو
حافظ صاحب سب سے پہلے تشریف لے آتے پھر نعت خواں حضرات
آجاتے اور یہ نعت خوانی کی محفل شروع ہو جاتی۔ اس جلسہ سے پہلے جب
کبھی حافظ صاحب والد صاحب کے پاس تشریف لایا کرتے تھے تو چائے
وغیرہ سے ان کی تواضع ضرور کی جاتی تھی۔ اسی انداز سے اب بھی جلسہ کے
ختم پر ان کے لئے چائے آجاتی اور نعت خواں اور سامعین بھی اس میں
شریک ہوتے وہ وضع اب تک جاری ہے۔ حافظ صاحبؒ جب تک حیات
رہے ایسے ہی تشریف لاتے رہے اب نعت خوانوں میں رفتہ رفتہ
اضافہ ہوتا گیا اور سامعین میں بھی۔ ابراہیم خاں مرحوم اور اُن کے
ساتھ اُن کے دوست مخدوم صاحب بھی تشریف لاکر نعت خوانی کرنے
لگے۔ غرض پانچ چھ ماہ میں جلسہ جم گیا جس کو اب ہوتے ہوئے ۵۵ سال
ہوگئے اور اس طویل عرصہ میں ایک جمعہ بھی کبھی ناغہ نہ ہوا۔ یہ واقعہ
کوثرِ رحمت میں اس طرح نظم ہو گیا ہے۔

جو موقع ہو تو بزمِ نعت خوانی میں چلے آنا
وہ جلسہ میرے اک شیخِ طریقت کی کرامت ہے

اُسے ہوتے ہوئے اب ہو چکے پچپن برس پورے
ہیں ویسے ہی نہیں کہتا یہ تاریخی شہادت ہے
یقیں آتا نہ ہو تم کو اگر میری گزارش پر
تو آ کر دیکھ لو سالِ بنا زیبِ عمارت ہے

قطعہ تاریخ

شد چو تیار در مہِ شوال !	کوشکِ آسماں قبابِ رؤف
لا اُمّ بانی نگاشت سالِ بنا	دو کرد تعمیر تو جنابِ رؤف"

۱۳۴۲ھ

ایک روز حسبِ معمول درگاہِ میاں موجؒ میں شاہ علاء الدین صاحبؒ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوا وہاں پہلے سے کلیر شریف کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ شاہ صاحب میری طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ میاں تم کبھی کلیر شریف نہیں چلتے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے صابر صاحب بلاتے ہی نہیں۔ بولے اور کس طرح بلاتے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ اگر اسی طرح بلاتے ہیں تو میں موجود ہوں۔ اس سال میں آپ کے ہمراہ ضرور چلوں گا۔ جب شاہ صاحب کے ہاں سے گھر آ رہا تھا تو راستہ میں یہ خیال آیا کہ حضرت قطبؒ تو یہ فرما گئے ہیں کہ اب تفریح کے لئے تمہیں کہیں آنے جانے کی ضرورت نہیں اور شاہ صاحب کلیر شریف لے جا رہے ہیں۔ ان دونوں باتوں

میں تصادم کیسا؟ گھر آکر اپنی اہلیہ سے کہا کہ میاں صاحب اس مرتبہ مجھے کلیر شریف لے جارہے ہیں، ایک جوڑی کپڑے میرے لئے تیار رکھنا روانگی کی تاریخ سے پہلے میں میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا آپ کلیر شریف کس تاریخ اور کس وقت تشریف لے جائیں گے خادم ہمراہ ہوگا۔ فرمانے لگے میں تم سے نہیں کہتا تمہیں کہیں آنے جانے کی ضرورت نہیں۔

مژدۂ تصانیف

غالباً ۱۹۳۰ء کا واقعہ ہے کہ میں نے ایک کتاب بزبانِ انگریزی جس میں ترکیب صرفی کرنا سکھایا گیا تھا تصنیف کی اور PARSING CHART اس کا نام رکھا، ماسٹر سید مختار حسین صاحب مدظلہٗ ساکن محلہ لکرہ سے اس کا پیش لفظ لکھوایا، طباعت کے لئے مکمل ہونے پر حضرت قطب رح کی خدمت میں اجازت کے لئے حاضر ہوا۔ سنتے ہی آنکھیں سرخ ہوگئیں غصہ آگیا اور فرمایا۔ "یہ نہیں چھپے گی اِن کا زمانہ تو گیا بھی، اس ایک کی جگہ ہم دو چھپوائیں گے" چوں و چرا کا موقع نہیں تھا، کتاب لاکر طاق میں رکھ دی، انگریز یہاں سے سترہ سال بعد ۱۹۴۷ء میں رخصت ہوئے اور اُن کی پیشین گوئی صحیح ثابت ہوگئی، اب ہم دو چھپوائیں گے" کا واقعہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ سید حبیب احمد صاحب اُنوی کاظمی مرحوم و مغفور اکثر جمعہ کے روز مجلس نعت خوانی

میں شرکت فرمایا کرتے تھے چونکہ عالم تھے شاعر تھے اور مداح رسول صلعم بھی تھے جب ایک نعت خواں صوفی سبحان بخش صاحب مرحوم نے میری ایک نعت شروع کی جس کا مطلع تھا ؎

اک آہ نکلتی ہے بیساختہ سینے سے
جب بادِ صبا پھر کر آتی ہے مدینے سے

تو سنتے ہی اُفق صاحب سے اک نعرہ سرزد ہوا اور اُن پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ جلسہ ختم ہونے پر فرمانے لگے کہ ماسٹر صاحب اگر آپ کا یہ کلام چھپنے سے رہ گیا تو آپ امروہہ پر بڑا ظلم کر جائیں گے، آپ کی زبان بہت سلیس اور عام فہم ہے۔ اسے طبع کرا دیجئے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت کلام کی ترتیب تدوین و طباعت کا سلیقہ اور صلاحیت مجھ میں قطعی نہیں ہے۔ تو فرمانے لگے کہ آپ مجھے وہ کاپیاں جن میں آپ کا کلام لکھا ہوا ہے دیدیجئے۔ یہ کام میں کروں گا، اگلے جمعہ کو میں نے اپنا تمام کلام ان کی سپرد کر دیا، اُنہوں نے جتنی تکلیف برداشت کی جتنی کاوش کی جتنا وقت صرف کیا اس کا اندازہ میں نہیں کر سکتا۔ اُنہوں نے سارے کلام کے دو حصے کئے، ایک حصہ میں نعت و مناقب رکھے دوسرے حصہ میں کلامِ مجاز رکھا جو اکثر مشاعروں میں میں پڑھ چکا تھا پہلے حصہ پر ایک بصیرت افروز مقدمہ فصیح و بلیغ عبارت میں سپردِ قلم کیا قطعاتِ تاریخ لکھے اور

اس حصہ کا تاریخی نام "مخلصۂ محامد" رکھا جس سے سنِ طباعت تیرہ سو اٹھاون ہجری برآمد ہوتا ہے، دوسرے حصہ پر ایک طویل تبصرہ تحریر فرمایا کلام پر پُر مغز تنقید کی، قطعاتِ تاریخ لکھے اور جس کا تاریخی نام "گلزنگِ تحسین" تجویز فرمایا جس سے سنِ طباعت اُنیس سو چالیس عیسوی نکلتا ہے۔ پہلا حصہ ۱۹۳۹ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا اور دوسرا سنہ ۱۹۴۰ء میں منظرِ عام پر آیا، اس طرح "ہم دو چھپوائیں گے" کا ارشاد بھی پورا ہو گیا۔

گھبراؤ مت فتح تمہاری ہی ہوگی

سنہ ۱۹۴۳ء ایسا صبر آزما پریشان کن اور روح فرسا سال تھا کہ اس کا خیال مجھے حضور اکرم سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ حیات کے عام الحزن کی یاد دلا دیتا ہے۔ اس سال حضرت قطب علیہ الرحمہ کا وصال ہوا، میری رفیقۂ حیات راہیٔ مُلکِ بقا ہوئیں اور اڑتیس سالہ دورِ ملازمت کا سب سے زیادہ الم انگیز واقعہ پیش آیا۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ سید معجز حسین صاحب ساکن محلہ بنگلہ کے صاحبزادے سید اعجاز حسن سابق مینجر صاحب امام المدارس کے ہونے والے داماد ٹریننگ کر کے آ رہے تھے اُن کو فکر ہوئی کہ داماد کو مدرسہ ہی میں ملازمت مل جائے تو بہتر ہے۔ مینجنگ کمیٹی کے ممبروں میں آدھے ممبر صرف محلہ بنگلہ کے تھے۔ اور آدھے شہر کے۔ اپنے

محلہ کے ممبروں کے سامنے مینجر صاحب نے اپنی یہ تجویز پیش کی تو سب کو یہ فکر ہوئی کہ مدرسہ کے کس استاد کو برخاست کیا جائے" تاکہ ان کے داماد کے لئے جگہ خالی ہو۔ انگلش اسٹاف میں صرف میں ہی ٹریننگ کئے ہوئے نہیں تھا اور میری ہی پوزیشن ایسی تھی کہ وہ آسانی سے مجھے برخاست کر سکتے تھے۔ چنانچہ ممبران اہل بنگلہ میرے ساتھ ایسا سلوک کرنے لگے جس سے مجھے ملازمت کی طرف سے خطرہ محسوس ہونے لگا۔ حضرت قطب علیہ الرحمہ مرض الموت میں مبتلا ہو چکے تھے۔ میں اُن کی مزاج پرسی کے لئے اُن کے دولت خانہ پر حاضر ہوا میرے چہرہ پر کچھ پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ جواب سلام دیکر فرمانے لگے، پریشان کیوں ہو کیا بات ہے، میں نے عرض کیا کہ اسکول نے کچھ احسان فراموشی کی ہے۔ کہنے لگے "گھبراؤ مت فتح تمہاری ہی ہوگی"! اُسی روز شب میں اُن کا انتقال ہو گیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ؕ

اپنے اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہیڈ ماسٹر صاحب نے جو اہل بنگلہ ہی میں سے تھے مینجنگ کمیٹی کے سامنے اپنی یہ تجویز پیش کی کہ چونکہ ماسٹر عبدالرؤف ٹرینڈ نہیں ہیں، کھیلوں میں دلچسپی نہیں لیتے۔ کارہائے منصبی اچھی طرح انجام نہیں دیتے اسکول سے ہمدردی نہیں رکھتے۔ ٹیوشن بہت کرتے ہیں۔ غرض ایسے ایسے بارہ چودہ الزام لگا کر کمیٹی سے درخواست کی کہ ان کو برخاست کر کے

کسی ٹرینڈ ٹیچر کا تقرر کیا جائے۔

اُس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ کمیٹی اپنے اختیار سے اُستادوں کا تقرر اور برخاستگی عمل میں لاتی تھی اور انسپکٹر مدارس سے اس کی منظوری حاصل کر لیتی تھی۔ چونکہ شہر کے ممبروں کو اہلِ بنگلہ کے اس منصوبہ کی خبر نہ تھی اور میرے کردار سے خوب واقف تھے اس لئے اُنھوں نے ہیڈ ماسٹر صاحب کے اس رزولیوشن کا یہ جواب دیا کہ صرف آپ کے الزامات پر برخاست کر دینا انصاف کے خلاف ہے مناسب یہ ہے کہ ملزم کو ان الزامات کے جوابات دینے کے لئے کچھ مہلت دی جائے۔ اگر جوابات اطمینان بخش نہ ہوں تو برخاستگی ممکن ہے چنانچہ اتفاق رائے سے کمیٹی نے ملزم کو جوابدہی کے لئے موقع دیا جانا منظور کر لیا۔

موسمِ گرما کی تعطیل کے لئے مدرسہ بند ہو چکا تھا۔ جمعہ کا دن تھا نعت خوانی کا جلسہ ختم ہو چکا تھا میں فرش اُٹھا رہا تھا کہ نصیر حسن مرحوم اسکول کے چپراسی نے مجھے ایک لفافہ دیا اور اس کی رسید مجھ سے لے لی اور چلے گئے۔ فرش اُٹھا کر وہ لفافہ میں نے کھولا اس میں سے میرے نام ایک نوٹس برآمد ہوا جس میں میرے خلاف ایک باقاعدہ فردِ جرم تھی اور ہر چند وہ بے بنیاد

الزامات لگا کر برخاستگی کی دھمکی بھی دی گئی تھی اور ایک ہفتہ ان الزامات
کے جوابات دینے کے لئے بھی دیا گیا تھا۔ نوٹس دیکھ کر میں پریشان ہو گیا
والد صاحب نے میرے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھ کر پوچھا کیوں
پریشان ہو کیا معاملہ ہے؟ میں نے انھیں نوٹس کا مضمون بتایا فرمانے
لگے نوکری کا کیا اعتبار، گھبراؤ نہیں اللہ خیر الرازقین، تمہیں جوابات
کے لئے مہلت دی گئی ہے۔ سوچ سمجھ کر جوابات دو، کسی اپنے ہمدرد
معاصر اُستاد سے امداد و مشورہ لو۔ پریشان مطلق نہ ہو، اُن کے سمجھانے
سے بہت تسکین ہوئی بعد نمازِ مغرب اپنے معمولات سے فراغت کے بعد
میں ماسٹر تقی الدین مرحوم کے پاس گیا اور وہ نوٹس ساتھ لیتا گیا، نوٹس
دیکھ کر وہ بھی گھبرا گئے اس لئے کہ میرے بعد نمبر اُنھیں کا تھا۔ کہنے لگے آج تم
ہو کل ہم ہیں۔ جوابات دیں گے گھبراؤ نہیں۔ اگلے دن سے جوابات لکھنا شروع
کر دیئے۔ کئی سال کے اپنے نتائج دکھلائے جو پچانوے فیصدی پچاسی فیصدی
اور اسّی فی صدی تھے اپنے اسکول میں بہت سے رجسٹر خفیہ طور پر دیکھے گئے اور
صحیح اعداد و شمار حاصل کئے گئے۔ ایک الزام کا جواب یہاں قابلِ ذکر
ہے۔ الزام تھا کہ اسکول سے ہمدردی نہیں رکھتے جواب تھا کہ ایک سال
میں چودہ اتفاقیہ چھٹیاں لینے کا ہر اُستاد کا حق ہے تیرہ سال ملازمت
کر چکے تھے اس طرح ایکسو بیاسی ۱۸۲ چھٹیاں اتفاقیہ لینے کا حق تھا مگر رجسٹر

حاضری دیکھنے سے پتہ چلا کہ تیرہ سال میں صرف سات اتفاقیہ چھٹیاں لی ہیں۔ پونے دوسو اتفاقیہ چھٹیاں اسکول پر قربان کر دی ہیں اور کوئی دوسری قسم کی چھٹی کبھی ذہن میں بھی نہیں آئی۔ ایک ہفتہ گزرنے کے بعد ہیڈ ماسٹر صاحب کے مندرجہ بالا نوٹس کے الزامات کے جوابات داخل کر دیئے گئے۔ کمیٹی کا جلسہ پھر منعقد ہوا۔ الزامات کے جوابات پڑھے گئے سید نبی ہادی صاحب مرحوم۔ سید افسر حسن صاحب وکیل مرحوم، ماسٹر سید مختار حسین صاحب مدظلہ، اور شہر کے دیگر ممبران نے غور سے جب یہ جوابات مذکورہ بالا سنا تو بیک زبان سب نے فرمایا کہ ایسے مخلص کارگزار استاد کے خون میں ہم ہاتھ نہیں رنگ سکتے۔ ان کے کاغذات عرضی دعویٰ اور جوابدہی دونوں انسپکٹر صاحب مدارس کی خدمت میں ارسال کر دیئے جائیں اگر وہ قابل برخاستگی سمجھتے ہیں تو برخاست کر دیں گے ہمارا ضمیر تو ان کو برخاست کرنے کی اجازت نہیں دیتا چنانچہ یہ طے پایا کہ یہ معاملہ انسپکٹر مدارس کے سپرد کر دیا جائے اور کمیٹی برخاست ہو گئی۔

سارے اسٹاف میں سے صرف ایک ماسٹر سید سبط حامد صاحب نوٹس کا حال سن کر میرے پاس آئے میری ہمت بندھائی اور مجھے شہر کے ممبروں کے پاس لے گئے ان کے سامنے اہل بگہ کے اس منصوبہ کا انکشاف کیا اور ان کی خود غرضی ثابت کی۔ کمیٹی کے اس فیصلے کے دوسرے دن میں ماسٹر سید

مختار حسین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چھوٹتے ہی فرمانے لگے اب تم انسپکٹر صاحب کے پاس چلے جاؤ اُن کو ان سب حالات سے باخبر کر دو۔ وہ تمہارے ہمدردی کریں گے۔ چنانچہ دوسرے ہی دن میں بریلی جاکر انسپکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا میرے پاس ان کاغذات کی نقل تھی ان کے سامنے پیش کی۔ کہنے لگے ہمیں اپنا واقعہ زبانی سمجھاؤ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ میں نے اچھی طرح اہل بنگلہ کی اس سازش کو بے نقاب کیا۔ کمیٹی کا سب حال سُنایا۔ سنکر ہیڈ کلرک کو بلایا اور پوچھا کیا ان کے کاغذات امروہہ سے ہمارے دفتر میں آگئے ہیں، اُنھوں نے کہا ابھی نہیں آئے۔ اب میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ تم گھبراؤ نہیں، تم برخاست نہیں ہو سکتے۔ ہم معائنہ پر تمہارا کام دیکھیں گے تم اسی طرح کام کئے جاؤ۔

میں نے وہاں سے آکر ماسٹر سید مختار حسین صاحب مدظلہٗ کو سارا حال سنایا۔ سُن کر بہت خوش ہوئے۔

اب ہیڈ ماسٹر صاحب نے میرے کاغذات بذریعہ ڈاک ارسال کرنا مناسب نہ سمجھا بلکہ اپنے ساتھ سکریٹری صاحب اور مینجر صاحب کو بھی لیا اور تینوں کے تینوں حضرات بہ نفسِ نفیس کاغذات لے کر بریلی تشریف لے گئے اور انسپکٹر صاحب کی خدمت میں میرا معاملہ پیش کیا۔ اُنھوں نے

فرمایا کہ یہ شخص تو ہم سے مِل بھی گیا اور کمیٹی وغیرہ کے سارے واقعات سے بھی ہمیں باخبر کر گیا دیکھئے ایسے مخلص کارگزار کو ایسے ایسے پوچ الزامات لگا کر برخاست کرنا۔ انصاف کا خون کرنا ہے۔ تیرہ سال یعنی اپنی عمر کے سب سے اچھے دن اس نے آپ کی خدمت میں گزارے اور اب اپنی ایک غرض کے تحت آپ اسکو نکال رہے ہیں۔ میں سالانہ معائنہ پر امروہہ آؤں گا اور اس شخص کا کام دیکھوں گا۔ اِس وقت اس کو میں برخاست نہیں کرسکتا دو ٹیوشن کی جگہ ایک ٹیوشن کی اجازت ہے بس۔ اپنا سا مُنہ لے کر ممبران صاحب واپس تشریف لے آئے اور مجھ کو اطلاع دیدی کہ آپ کی برخاستگی معرضِ التواء میں ڈال دی گئی اور آپ کو اس سال دو کے بجائے صرف ایک ٹیوشن کی اجازت ہے۔

سالانہ معائنہ پر انسپکٹر صاحب تشریف لائے۔ میرے درجہ میں آئے میری ڈائری دیکھی طالبعلموں کی کاپیاں ملاحظہ فرمائیں اور اُن میں مطابقت دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ میری پُشت پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ تم اسی طرح کام کئے جاؤ، تم تو پیدائشی اُستاد ہو۔ تمہیں کوئی برخاست نہیں کرسکتا۔

اعجاز حسین ٹریننگ کرکے آئے تو اُن کے لئے درجہ ۵ کا دوسرا سیکشن کھولا گیا اور اُن کا تقرر بھی عمل میں آیا مگر کچھ دن بعد وہ خود ہی اسکول سے بددل ہو کر کہیں باہر چلے گئے اور ملازم ہو گئے اس طرح

مخالفین کی خود غرضی طشت ازبام ہو گئی ۔ اُن کا منصوبہ خاک میں مِل گیا اور وہ اپنی اس حرکت پر اپنے دل میں بہت نادم ہوئے ۔

اب مجھے حضرت قطب علیہ الرحمہ کا قول یاد آیا کہ " گھبرانا مت فتح تمہاری ہی ہوگی " سچ ہے قلندر راچہ گوید دیدہ گوید ۔ ۱۹۳۳ء سے ۱۹۵۹ء تک چھبیس ۲۶ سال اور ملازمت کی اور اس طویل عرصہ میں اراکین مدرسہ میں سے کسی کو کبھی مجھ سے مخالفت کرنے کی جرأت نہ ہوئی ۔ ۱۹۵۹ء میں عزت آبرو کے ساتھ ریٹائرڈ ہوا ۔ چھ ہزار روپے پراویڈنٹ فنڈ کے ملے جو ایک لڑکے اور لڑکی کی شادی میں صرف کر دیئے گئے ۔

باغات کی ابتدا حضرت قطب علیہ الرحمۃ نے جس وقت تفریح کا مژدہ سنایا تھا تو قضا و قدر نے اس جلبۂ تفریح کے اجرار کا تواتر اور استحکام کا یوں انتظام فرمایا کہ ۱۹۳۳ء سے بغیر میرے کوئی قدم اُٹھائے ہوئے اراضیات ملنا شروع ہوئیں اور ۱۹۳۳ء سے باغات لگنا شروع ہو گئے ۔ ۱۹۴۰ء میں ایک سو اٹھارہ بیگہ کا قلمی باغ لگ کر مکمل ہو گیا ۔ ۱۹۴۵ء سے باغات کی آمدنی شروع ہوئی ۱۹۶۷ء میں ایک لڑکے اور ایک لڑکی دو کی شادیوں کا موقع آیا تو بیس بیگہ باغ سولہ ہزار روپیہ میں فروخت کیا اور ان کی شادیوں سے فراغت پائی ۔ ۱۹۷۰ء میں جب سب سے چھوٹے خادم زادے کی شادی کا موقع آیا تو پینتالیس بیگہ باغ

۵۴ ہزار روپیہ میں فروخت کیا اور حسب منشایہ آخری شادی کی۔ اب شریک حیات کا تقاضا ہوا کہ حج بیت اللہ کے لئے چھ ہزار روپے علیحدہ رکھ دیجئے۔ ہم دونوں کو اس فریضہ سے سبکدوش ہونا چاہئے۔ اب زیارت حرمین شریفین کی تڑپ بڑھنے لگی اور ۱۹۷۲ء میں حج کمیٹی کو دونوں کی طرف سے حج کی درخواست روانہ کر دی گئی مگر وہ درخواست نامنظور ہوگئی اور چونکہ اگلے سال باغ کی بہار نہیں آئی وہ سب روپیہ چھ ہزار کا چھ ہزار اُس خالی سال کی نذر ہو گیا۔ ۱۹۷۵ء خشکی کا ایسا سال آیا کہ آم درختوں پر انڈے کے قد کی برابر ہو ہو کر سوکھ گئے اور پھر درختوں کے جڑ سے سوکھنے کا نمبر بھی آ گیا۔ اطراف وجوانب سے خبریں ملیں کہ بعض بعض جگہ پورے پورے باغ سوکھ گئے۔ میرے باغ میں بھی ایک لنگڑے کا درخت سوکھا جس کی چالیس من لکڑی کٹ کر آئی اور سارا باغ خطرہ میں نظر آنے لگا۔ فوراً باغ میں بورنگ کرایا گیا، کرایہ کا انجن لا کر اس سے باغ کو سیراب کرنا شروع کیا گیا اور اپنے ذاتی انجن کی تیاری کا انتظام بھی شروع کر دیا گیا۔ دو تین درخت اور متاثر ہونے پائے تھے کہ بارش کا موسم آ گیا۔ بورنگ، کرایہ کا انجن، اور ذاتی انجن کی تیاری میں جو کچھ پاس تھا سب صرف ہو گیا۔ اب ۱۹۷۶ء میں کیا بہار آتی۔ اس سال باغ سے کوئی آمدنی نہیں ہوئی۔ مجبوراً باغ کو جڑ

سے فروخت کرنے کا اعلان کر دینا پڑا۔ اور جلسۂ نعت خوانی کے پیش نظر باغ کو داؤں پر لگا دینے کا نمبر آگیا اور مجلس شوریٰ کی رائے سے چار ہزار روپیہ فی بیگہ کا اعلان کر دیا گیا، اعلان کے چوتھے روز ایک خریدار نے دو ہزار روپیہ فی بیگہ لگا دیئے اور کہا کہ باون بیگہ آپ کا باغ ہے ایک لاکھ چار ہزار روپیہ نقد لے لیجئے اور رجسٹری کرا دیجئے۔ میں نے اس کو منع کر دیا کچھ عرصہ بعد ڈھائی ہزار روپیہ فی بیگہ قیمت لگ گئی اور قریب قریب بیعانہ آنے ہی والا تھا کہ کسی شخص نے خریدار کو بہکا دیا، اب چونکہ قیمتیں لگ رہی تھیں قرض دام ملنے میں آسانی رہی۔ جوں توں وہ سال ختم ہوا اور ۱۹۷۷ء میں باغ میں بہار آئی اور فروری کے پہلے ہفتہ میں ساڑھے گیارہ ہزار روپیہ میں بہار فروخت ہو گئی۔ چھ ہزار روپیہ اب تک قرض ہو چکا تھا وہ فوراً ادا کیا اور باغ کے ایک صحیح راستہ کی خرید میں دو ہزار روپیہ خرچ کرنے پڑے "گلزار تخیل" بار دوم کی کتابت ہو چکی تھی طباعت در پیش تھی اس کے خرچ کا اندازہ ایک ہزار پانچ روپے تھا وہ رقم الگ کر دی گئی اس کے علاوہ جو بچا وہ فروری مارچ اپریل مئی چار ماہ میں خرچ ہو گیا اور جون سے پھر پہلا سا عسرت کا دور شروع ہو گیا مگر بحمد اللہ نعت خوانی کے جلسہ پر کوئی اثر نہ ہونے پایا۔

باغ کی پریشانی نے جسم کو بہت متاثر کر دیا تھا اور اب ضعیفی بھی

روز بروز بڑھ رہی تھی تو کوئی خیال گمان نیت ارادہ حج کا دل میں نہ رہا تھا۔ اچانک جون ۱۹۷۰ء میں دیوانگی رنگ لائی اور حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کرم فرمایا کہ دنیا حیرت زدہ ہو کر رہ گئی۔

مدینہ منورہ سے طلبی کے محرکات

یہ حسرت ہے کبھی تو زندگی میں — کروں سیرِ گلستانِ مدینہ
کبھی حاصل مجھے بھی یہ شرف ہو — کبھی میں بھی ہو مہمانِ مدینہ

رؤفِ زار کی بھی عرض سُن لو
ہے اک مدت سے ارمانِ مدینہ

حج بیت اللہ کا سامان کب ہو گا بہم — ہائے مکہ کی طرف کس روز اٹھیں گے قدم
کب بلائیں گے مدینے میں مجھے شاہِ اُمم — کے بود یارب کہ رُو در یثرب و بطحا کنم
گہ بمکہ منزل و گہ در مدینہ جا کنم

چشمِ گریاں انھیں اس طرح منا لیا ہوتا — تو نے اشکوں کی جگہ خون بہایا ہوتا
وہ ترس کھا کے مدینہ مجھے بلوا لیتے — قاعدہ اس طرح مرا حال سُنایا ہوتا
میرے مولیٰ مجھے آنکھیں جو عنایت کی تھیں — اپنے محبوب کا روضہ بھی دکھایا ہوتا

جالیوں کو تھام کر کچھ ہم بھی کرتے عرضِ حال — ہم بھی اپنا بخت اک دن آزما کر دیکھتے

دیکھتے جس جس طریقہ سے بھی ہو سکتا رؤف
دُور جا کر دیکھئے نزدیک آ کر دیکھتے

مدینہ کی زمیں پر میں اگر قسمت سے جا پہنچا
اُدھر اُترا شہر کے نزدیک جا کر قافلہ میرا
تو روضہ کی طرف جاؤں نگاہِ حالِ جذب میں کہتا
برس مہماں نوازِ من بیا دستم بگیر آقا
منِ بیگانہ در شہرِ شمایم یا رسول اللہ

اُن کے در پہ مجھے لے جا کے کھڑا کر دیتی
تجھ سے اتنا بھی نہ اے گردشِ دوراں ہوا

جو نہ گئے کبھی رؤف ہم ہی وہ بد نصیب ہیں
در نبی کا آستاں مرجع خاص و عام ہے

درِ رسولؐ ہی دیکھا نہ خانۂ کعبہ
رؤف کچھ نہ کرے تم نے اس جہاں کے لئے

میں حاضری کے شرف سے ہوں آج تک محروم
پیام آپ کا دُنیا کے نام آتا ہے

جب مدینے کو رخصت ہوا قافلہ دل بھی اُس بھیڑ کے ساتھ ہی ہو لیا
میں اکیلا کھڑا دیکھتا رہ گیا، سرورِ انبیاءؐ، سرورِ انبیاءؐ

کسی وقت نالے کسی وقت زاری کبھی مجھ پہ حیرت کبھی غش پہ طاری
رؤفِ حزیں کو مدینے بلالو، فراق اب نہیں ہے گوارا تمہارا

مدینے کو کبھی اے کاش سنتے رؤفِ خستہ جاں بھی جا رہا ہے

یہ سوچکر ہی مدینے مجھے بُلا لیتے کہ خار کی بھی ضرورت ہے گلستاں کیلئے

تڑپتا ہے دل دیکھنے کو مدینہ ، در رشہ پہ جانے کو جی چاہتا ہے !
اور اک بار تقدیر سے پہونچ جاؤں تو پھر کر نہ آنے کو جی چاہتا ہے

حسرتِ دید کی خبر یا رب دیکھ لیں میری آنکھیں مدینہ

مدینے کے گلی کوچے ، نبیؐ کا روضۂ اقدس
دکھا مجھ کو بھی اے سب کو برابر دیکھنے والے

مدینے جاکے میں بھی روضۂ اقدس کے بوسے لوں
الٰہی غیب سے ہو جائے سامانِ سفر پیدا !

مکّے سے سیر ہو تو مدینے چلو رؤف
یہ آستاں رہے کبھی وہ آستاں رہے

کیونکر ہو مداوائے رؤفِ جگر افگار
یہ ہند میں آپ انجمن آرائے مدینہ

سوئے طیبہ ہو جو گزر صبا تو ادب سے کرنا یہ التجا
کہ رؤفِ ہجر میں مر مٹا ہو نگاہِ لطف ذرا نبی

ہائے سارا قافلہ طیبہ روانہ ہو چکا
چھوڑ کر مجھ کو یہیں میری مدد فرمایئے

اک آہ نکلتی ہے بیساختہ سینے سے
جب بادِ صبا پھر کر آتی ہے مدینے سے

ہے شب و روز وظیفہ مری آنکھوں کا رؤف
روضۂ پاک کا دیدار میسر ہو جائے
اے کاش کبھی یوں بھی ہوتا وہ یاد ہمیں بھی فرماتے
اور ہم بھی کبھی طیبہ جاتے رہ رہ کے یہ حسرت ہوتی ہے

میری طرف سے صبا کہیو یہ التجا — میں بھی کسی دن شہا حاضرِ دربار ہوں

آپ کی بندہ نوازی سے تو کچھ دور نہیں — ہاں بھلانا ہی مرا آپ کو منظور نہیں
کونسی ایسی خطا ہے مری فرمایئے تو — بندۂ عشق ہوں سرکش نہیں مغرور نہیں
آپ ہیں مالکِ کونین شفیعِ محشر — اور میں جسکو کسی طرح کا مقدور نہیں
آپ سا تو کوئی خالق نے کیا ہی نہیں خلق — آپ تو احمدِ مختار ہیں مجبور نہیں

سگِ درگاہِ رؤف آپ کا مجرم قیدی
آپ کے سامنے موجود ہے معذور نہیں

مدینہ منورہ سے طلبی

غالباً جون ۱۹۷۷ء کا دوسرا ہفتہ تھا کہ ایک روز تقریباً آٹھ بجے شب کے ایک بچے نے باہر سے آکر مجھ سے کہا کہ آپ کے پاس شجر الاسلام صاحب آئے ہیں، اُن کی کار کھڑی ہے اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ گرمی کی شدت تھی میں اپنے معمولات میں مصروف تھا، یہ کہلا بھیجا کہ اس وقت ملاقات مشکل ہے معافی چاہتا ہوں۔ بجائے اس وقت کے کل صبح سات بجے آپ کی خدمت میں آپ کے درِ دولت پر خود ہی حاضر ہو جاؤں گا۔ میرا خیال تھا کہ شاید شجر الاسلام صاحب باغ کی خریداری کے سلسلہ میں

تشریف لائے ہیں۔ کیونکہ میں اپنے باغ کے فروخت کرنے کا اعلان کرچکا
تھا، وہ واپس ہو گئے اور دوسرے روز صبح ہی وقتِ مقررہ پر میں اُن کے
دولت خانہ پر حاضر ہو گیا۔ وہ دیکھتے ہی چونک پڑے اور فرمایا آپ نے
کیوں زحمت فرمائی، میں تو خود ہی حاضر ہونے والا تھا۔ غرض مجھ کو
ایک کرسی پر بٹھا کر اندرونِ خانہ تشریف لے گئے۔ اور ایک لفافہ ہاتھ
میں لئے ہوئے کمرہ میں داخل ہوئے اور مودبانہ استادہ کرسی پر ہاتھ رکھے ہوئے
فرمایا، ماسٹر صاحب یہ ایک ایسے شخص کا خط ہے کہ جس نے کبھی آپ کو نہیں
دیکھا۔ اور نہ آپ نے کبھی اسکو دیکھا ہے اور یہ میرا چھوٹا بھائی ہے جس کا
نام وقار الاسلام ہے۔ جب آپ میری ہمشیرہ خورشید مرحومہ کو پڑھانے
آیا کرتے تھے تو اُس وقت تک یہ پیدا بھی نہ ہوا تھا۔ پچھلے سال اس نے
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے انجینیرنگ کا امتحان امتیازی شان سے
پاس کیا اور کچھ روز محکمہ پی ڈبلیو ڈی میں کام کرکے مدینہ منورہ ہوائی
جہاز سے روانہ ہو گیا۔ سعودی عرب میں ایسے لوگوں کی مانگ تھی فوراً
ہی ایک فرم میں ملازمت مل گئی، اُس کا مستقر مکہ اور جدہ کے
درمیان ہے مگر حتی الوسع نماز مسجدِ نبوی میں آکر پڑھتا ہے
اُس کا یہ خط ہے جو میں آپ کو پڑھ کر سناتا ہوں۔

"جناب بھائی صاحب مدظلہٗ۔ میں ایک روز نمازِ عصر

پڑھ کر مسجدِ نبوی میں کچھ مراقب سا تھا کہ یکایک ایک آواز کانوں میں آئی کہ "عبدالرؤف کو اپنے صرفے مدینہ بلاؤ"۔ میں نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ کون شخص ہیں۔ فوراً ہی پھر آواز آئی کہ سیفی کے والد"۔ آپ ان حضرت کو یہ مژدہ سنادیجیے کہ اللہ اور اس کے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو مدینہ بلایا ہے میں اُن کے مصارف کے لئے ایک ڈرافٹ بھی ارسال کر رہا ہوں ان کی آمد رفت کے تمام اخراجات میرے ذمہ ہیں"۔

یہاں تک خط پڑھ کے مجھ سے فرمایا کہ اب آپ سفرِ حج کی تیاری میں مصروف ہو جایئے، میں آپ کی خدمت میں ہدیہ مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

میں یہ سُن کر ایسا حیرت زدہ ہوا کہ ان کو اس وقت کوئی جواب نہ دے سکا۔ اور عرض کیا کہ کل انشاءاللہ جواب دوں گا۔ چلتے وقت میں نے اُن کو یہ چار شعر سنائے جو دو سال پہلے ۱۹۸۳ء کے درگاہِ میاں موج کے سالانہ نعتیہ مشاعرہ میں پڑھے تھے۔

آپ کی بندہ نوازی سے تو کچھ دُور نہیں
ہاں بلانا ہی مرا آپ کو منظور نہیں

کونسی ایسی خطا ہے مری فرمایئے تو
بندۂ عشق ہوں سرکش نہیں مغرور نہیں

آپؐ ہیں مالکِ کونین شفیعِ محشر

اور ہیں جس کو کسی طرح کا مقدور نہیں

آپؐ سا تو کوئی خالق نے کیا ہی نہیں خلق

آپؐ تو احمدِ مختار ہیں مجبور نہیں

اور پوچھا کہ آیا یہ طلبی ان اشعار ہی کا جواب تو نہیں ہے۔ انھوں نے بیساختہ فرمایا کہ یقیناً یہ طلبی آپ کی اس نظم کا ہی جواب ہے۔

سیفیؔ سب سے بڑے خادم زادے ہیں جن کا احمد حسین نام ہے ان کے اور وقارالاسلام کے اور ان کے کل خاندان کے درمیان دوستانہ اور مخلصانہ مراسم و روابط قائم ہیں شعر اچھا کہتے ہیں جس سے یہ خاندان اُن سے بہت مانوس ہے۔

حیرت کا یہ عالم تھا کہ گھر آکر کبھی میں نے کسی سے اس واقعہ کا اظہار نہیں کیا۔ میری عمر اب چوراسی سال کی ہے۔ ساری عمر کا بیمار ہوں، ضعیفی اور بڑھاپا مجھ پر پوری طرح مسلط ہے اگائے وغیرہ کا گوشت اور مچھلی کھائے ہوئے تقریباً ۶۰ سال ہو گئے۔ صرف بکری کا گوشت ہفتہ میں تین مرتبہ میری غذا کا جزو ہے۔ ۱۹۶۲ء میں حج کے لئے معہ اپنی اہلیہ کے میں نے درخواست بھیجی تھی مگر منظور نہیں ہوئی تھی۔ ان پانچ برس میں جو رہی سہی قوت تھی وہ بھی زائل ہو گئی، ایک نظر اپنی ضعیفی پر ڈال

تھا اور دوسری نظر سرکارِ دو عالم کی طلبی پر جس کا رونا عمر بھر رہا تھا۔
شیخ الاسلام صاحب نے اب تک کوئی جواب نہ پا کر اپنے اور میرے ایک معتمد ماسٹر سید ضمانت علی صاحب کو میرے پاس بھیجا تاکہ میں اُن کو یہ بتا دُوں کہ میں نے سفرِ حج پر جانا طے کر لیا یا نہیں؟ اس وقت ساجد میاں میرے خادم زادے موجود تھے مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

وارثِ خلد جو مرجائیں اجنبی تو غازی
اُن کے عشاق کا جب دیکھیے حال اچھا ہے

جب زادِ راہ تک کا انتظام بھی کر دیا گیا تو اور آپ کو کیا چاہیے۔ اب تذبذب بیجا ہے بسم اللہ کیجیے۔ یہ سُن کر میں نے سفرِ حج کا مصمم ارادہ کر لیا اور شیخ الاسلام صاحب کو کہلا بھیجا کہ وہ اپنی کارروائی شروع کر دیں۔ ۱۸ رجون بائیس سو سات روپے کرایہ بھیجنے کی آخری تاریخ تھی اُنھوں نے وہ رقم بھیجدی اور میری ضروریات کی فراہمی میں مصروف ہوگئے۔
یہ خبر شہر میں مشہور ہوئی تو دوستوں کو خوشی ہوئی اور مبارکباد کے تحفے آنے لگے۔ اس موقع پر مولانا سید محمد عبادت صاحب کلیم امامِ جمعہ جماعت اہلِ تشیع امروہہ نے سب سے پہلے یقین دہانی کی اور فرمایا کہ آپ ضرور مدینہ منورہ تشریف لے جائیں گے اور سرکارِ مدینہ نے واقعی آپ کو یاد فرمایا ہے مندرجہ ذیل اشعار اُن کی ہمت افزائی اور خلوص کے آئینہ دار ہیں جو انہوں نے میرے پاس ارسال فرمائے۔

محبت نے ایسا اُبھارا تمہیں　　کہ محبوب نے خود بلایا تمہیں!
یہاں تک تم اُن کو پکارا کئے　　کہ آخر اُنھوں نے پکارا تمہیں!
سدا کی ہے مدحِ رسولِ خدا　　ہمیشہ یہی شغل بھایا تمہیں
بظاہر ہو تم ایک قطرہ مگر　　دیا حق نے طوفانِ دریا تمہیں
خدا نے دیا مرشدِ بے بدل　　ملا خوب ہی یہ سہارا تمہیں
رہے کاش ہم عاصیوں کا خیال　　نظر آئے جب اُس کا روضہ تمہیں
مبارک، مبارک، مبارک، رؤف
مدینے کی گلیوں میں پھرنا تمہیں

یہ خبر امروہہ سے باہر بھی پھیلی قرب و جوار کے دیہات و قصبات سے نکل کر مراد آباد، سنبھل میرٹھ اور دہلی تک پہونچی۔ دہلی کے قاری فرید احمد صاحب نے یہ خبر سنی تو مبارکباد کا ایک خط ذوق شوق سے بھرا ہو میرے پاس بھیجا جس میں لکھا تھا کہ دہلی کے چند اور نعت خوانوں کو لے کر میں امروہہ آؤں گا اور اس جلسہ میں شرکت کرنے کی سعادت حاصل کروں گا جس کی بدولت سرورِ کائنات سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یہ شرف بخشا ہے چنانچہ اسی ہفتہ کے جمعہ میں سات آٹھ اور نعت خوانوں کو لے کر دہلی سے امروہہ آ پہونچے۔ جلسۂ نعت خوانی میں شرکت کی اور غیر معمولی

رونق پیدا کر دی۔ چلتے وقت مجھ سے فرمایا کہ آپ اپنے قافلہ سے ایک دن پہلے دہلی تشریف لائیں تا کہ اہلِ دہلی بھی آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کر سکیں۔ میں نے اقرار کر لیا۔

مدینہ منوّرہ کو روانگی

۳ر اکتوبر ۱۹۷۶ء کو جہاز کی بمبئی سے جدّہ کو روانگی کی تاریخ تھی اور ایک ہفتہ پہلے حاجیوں کو بمبئی پہنچنا تھا اسلئے ۲۷ر ستمبر ۷۶ء کو مُرد سے روانگی کی تاریخ کا تعین ہوا۔ ۲۵ر ستمبر ۷۶ء درگاہِ میاں ممو حِ میں سالانہ نعتیہ مشاعرہ کے انعقاد کی تاریخ تھی جس کا مصرعہ طرح تھا۔

احمدِ مختار ہیں دونوں جہاں کے تاجدار

چونکہ اس مشاعرہ میں مجھے شریک ہونا تھا نیز حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اظہارِ تشکر و امتنان بھی کرنا تھا اور پھر ابنائے وطن سے رخصت ہونا بھی مدِّ نظر تھا اسلئے تاریخِ مقررہ پر حاضرِ مشاعرہ ہوا اور تقریباً ۱۲ بجے شب کے خلافِ معمول صدر صاحب کی اجازت سے مندرجہ ذیل نظم نذرِ مشاعرہ کی۔

نعت شریف

میں بظاہر جاہلِ مطلق پریشاں روزگار
اور نعتِ پاک اک دریائے ناپیدا کنار

بے سہاروں کے سہارا بیقراروں کے قرار
احمدِ مرسل شفیعِ عاصیاں روزِ شمار

حامد و محمود صناعِ ازل کے شاہکار | جنکے پہلے جانشیں صدیقِ اکبر یارِ غار
معدنِ صدق و صفا روحِ روانِ اعتبار | ہمسفر ہمراز ہمدم ہم عنان و ہم کنار
دوسرے فاروقِ اعظمؓ ہیبتِ پروردگار | جنکے سایہ سے شیاطیں بر سرِ راہِ فرار
عدل کی حضرت نے وہ تمثیل چھوڑی یادگار | کر دیا فرزند کو دینِ پیمبر پہ نثار
تیسرے عثمانِ غنیؓ عالی گہر والا تبار | وصفِ ذی النورینؓ جن کا باعثِ صد افتخار
مخزنِ حلم و حیا جود و سخا جن کا شعار | بیعتِ رضواں ہے جنکی شان کی آئینہ دار
چوتھے سرکارِ نجف مولیٰ علیؓ گردوں وقار | شاہِ مرداں شیرِ یزداں قوتِ پروردگار
سامنے آئے ہیں اُن کے جب شجاعانِ عرب | اور دیکھا ہے اُنھیں میداں میں وقتِ کارزار
جب نظر ڈالی ہے اُنکے رُوئے انور کی طرف | یوں کہا ہے برملا ہم تیرے قدموں پر نثار
اِن سے کوئی جنگجو دنیا میں لڑ سکتا نہیں | لافتیٰ الّا علی لا سیف الّا ذوالفقار
آپ نے اپنے کرم سے یاد فرمایا ہے اب | خدمتِ اقدس میں حاضر ہو رہا ہے خاکسار
اپنے بیمارِ محبت پر ترس آ ہی گیا | آپ سے دیکھا گیا آخر نہ اسکا حالِ زار
اس کی ہر تکلیف تھی سرکار کے پیشِ نظر | اقتصادی اُلجھنیں بھی آپ پر تھیں آشکار
کس ادائے خاص سے اس پر کرم گستر ہوئے | واہ کیا اندازِ دلجوئی کئے ہیں اختیار
آپکے الطاف تو بے حد و بے پایاں ہیں مگر! | یہ نوازش بھی رہے گی تا قیامت یادگار
دل کو تڑپاتی تھیں رہ رہ کر مری محرومیاں | تھا مجھے مدت سے اس یاد آوری کا انتظار
طعنۂ اغیار سے مجروح ہوتا تھا بہت | میری ساری عمر کی مدحت سرائی کا وقار

کوئی اسکو ڈھونگ کہتا تھا کوئی دامِ فریب — اور کچھ کو تو یہ میرا مشغلہ تھا ناگوار
میری اس دیوانگی کی لاج رکھ لی آپ نے — آپ کے صدقے مرے ہوش و خرد صبر و قرار
آپ پر صدہا سلام اور آپ پر لاکھوں درود — اے مجسّم اے سراپا رحمتِ پروردگار
اے دوائے دردِ دل اے مرہمِ زخمِ جگر! — اے مری آنکھوں کی ٹھنڈک اے مرے دل کے قرار
آپ کی شایانِ شاں توصیف ممکن ہی نہیں — آپ ہیں ممدوحِ رب اور ہیں وقفِ خاکسار
اے عزیزانِ وطن چشم و چراغِ انجمن! — پرسوں رخصت ہو رہا ہے آپکا خدمتگزار
یاد فرمایا ہے اسکو اُس شہِ ذیجاہ نے — جسکی رحمت کی نگاہوں پر ہے ہم سب کا مدار

یاد کر لینا دعا میں اپنے اس خادم کو بھی
شاد اور آباد رکھے آپ کو پروردگار

۲۷ ستمبر [illegible]ء کو صبح کی گاڑی سے اپنے قافلہ سے ایک دن پہلے میں دہلی روانہ ہو گیا۔ اسٹیشن پر محبانِ رسولؐ کا اک اژدہام تھا۔ شجر الاسلام صاحب معہ اپنے سب بھائیوں کے وہاں موجود تھے ہر ہر بھائی میری ضروریات کو مجھ سے پوچھتا تھا۔ میرے سفر کے روحِ رواں وقار الاسلام بھی اپنی والدہ صاحبہ کی علالت کے سلسلہ میں سعودی عرب سے امروہہ آچکے تھے۔ وہ بھی اسٹیشن پر موجود تھے۔ غرض ان سب حضرات نے بڑے اعزاز و اکرام کیساتھ مجھ کو زیارتِ حرمین شریفین کیلئے امروہہ سے رخصت کیا۔ چند گھنٹوں کے بعد میں دہلی پہونچ گیا شجاع الرحمٰن میرے فرزند نسبتی اور ان کے سب بھائی میرے استقبال کے لئے دہلی کے اسٹیشن پر

موجود ملے اور وہاں سے اپنے دولت کدہ پر لے گئے اور دوپہر کا کھانا کھلایا۔ شب کے کھانے کے لئے حکیم حبیب الرحمٰن خاں صاحب نے اپنے یہاں مجبور کیا۔

اب یہ وہ دن تھا جو قاری فرید احمد صاحب نے مجھ سے امروہہ میں مانگ لیا تھا۔ اُن سے ملاقات ہوئی۔ اُس روز قاری صاحب نے اپنے دولت خانہ کو آراستہ و پیراستہ کیا اور اپنے ہر جاننے والے سے شب کو محفلِ نعت خوانی میں شرکت کی درخواست کی۔ رات کے دس بجے جلسہ شروع ہوا جوق در جوق لوگ آنے لگے اور مصافحے ہوتے رہے ہاروں کا اک ڈھیر تخت پر لگ گیا کس عقیدت اور جذبۂ محبت سے یہ لوگ ملے اس کو الفاظ بیان نہیں کر سکتے۔

تین بجے یہ جلسہ ختم ہوا قاری صاحب اور اُن کے جملہ احباب نے جو مہمان نوازی فرمائی اور حسن عزت افزائی کا مظاہرہ کیا اس کا اندازہ اُن کے سپاس نامہ مندرجہ ذیل سے ہو گا۔

سپاس نامہ

بعالی خدمت والا منزلت، عاشق و مہمانِ رسول ؐ جناب
ماسٹر عبد الرؤف صاحب زاد مجدہٗ و شرفہٗ

ہدیۂ تہنیت و تبریک

مژدۂ آمدِ محبوب صبا لائی ہے
چمنستانِ دل و جاں میں بہار آئی ہے

عالی مرتبت!

ہم غلامانِ رسالت انتہائی شاداں ہیں کہ جنابِ والا نے اپنے قدومِ میمنت لزوم سے ہماری مجلس کو نوازا اور اس وقت تشریف ارزانی فرما کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی اور ہمیں فخر ہے کہ ہم جناب کو آج فخر و مسرت کے ساتھ خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔

عزت مآب!

آپ کی خوش نصیبی اور اقبال مندی قابلِ رشک ہے کہ شہنشاہ امم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بلایا ہے بیشک آپ مہمانِ رسول ہیں، آپ کی عزت و احترام ہم سب پر واجب ہے آپ کی

اس حاضری نے عربی ادب کے شاہکار قصیدۂ بردہ کے معروف شاعر امام بُوصیریؒ، مولانا جامیؒ حضرت شیخ سعدیؒ جیسے عاشقانِ رسول کی نہ صرف یاد تازہ کردی ہے بلکہ ان تاریخی واقعات پر مُہرِ تصدیق و توثیق بھی ثبت کردی ہے۔ درِ رسول پر حاضری کا شرف دونوں جہان کی سب سے بڑی سعادت ہے اور اس سعادت پہ ہم آپ کو نہ صرف مبارکباد دیتے ہیں بلکہ خود آپ کے درمیان چند لمحات گزارنا اپنے لئے بڑی سعادت اور شرف کی بات تصور کرتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ آپ رسولِ معظم نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پہ ہم دُور اُفتادہ غلاموں کا سلام بھی پیش فرمائیں گے اور اپنی دعواتِ صالحہ میں یاد رکھیں گے۔ درج ذیل اشعار ہمارے قلبی جذبات واحساسات کے ترجمان ہیں جنکو دو مشہور شاعروں نے ہماری درخواست پہ لکھا ہے۔

قطعہ تاریخِ روانگی حجِ بیت اللہ شریف

رضی بدایونی

وہ ہے رؤف جسکو کیا ہے نبی نے یاد
ارمان جسکا قربِ نبیؐ کا حصول ہے
سالِ روانگی کی ہوئی فکر جب رضیؔ
ہاتف پکارا لکھ "یہ غلامِ رسول ہے"

۱۳۹۷ھ

ہے فرمانِ خیر الانام اللہ اللہ

جناب جوہر جے پوری

حبیبِ خدا کا غلام اللہ اللہ
ہے کیسا یہ عالی مقام اللہ اللہ

مبارک مبارک دقار آج تم نے
مدینے سے بھیجا پیام اللہ اللہ

کہ عبد الرؤف آؤ فوراً مدینے
ہے فرمانِ خیر الانام اللہ اللہ

مکمل ہوا ہے تمہارے سفر کا
مدینے سے خاص انتظام اللہ اللہ

کسی نے بھی اس دور میں جو نہ پایا
وہ پایا ہے تم نے مقام اللہ اللہ

چلا آ رہا ہے زیارت کو کھنچکر
تمہاری ہر اک خاص و عام اللہ اللہ

ہے فرمانِ خیر الانام اللہ اللہ

جناب جوہر جے پوری

حبیبِ خدا کا غلام اللہ اللہ
ہے کیسا یہ عالی مقام اللہ اللہ

مبارک مبارک دفاترؔ آج تم نے
مدینے سے بھیجا پیام اللہ اللہ

کہ عبد الرؤف آؤ فوراً مدینے
ہے فرمانِ خیرُ الانام اللہ اللہ

مکمل ہوا ہے تمہارے سفر کا
مدینے سے خاص انتظام اللہ اللہ

کسی نے بھی اس دور میں جو نہ پایا
وہ پایا ہے تم نے مقام اللہ اللہ

چلا آ رہا ہے زیارت کو کھنچ کر
تمہاری ہر اک خاص و عام اللہ اللہ

بُلاتے ہیں خود تاجدارِ مدینہ
محبت کا یہ احترام اللہ اللہ

یہ جوہر بھی ہے خاکسارِ مدینہ
حبیبِ خدا کا غلام اللہ اللہ

پیشکردہ

حافظ کامل - قاری فرید احمد - حافظ سلیم

صحیفہ دارالسلطنت نئی دہلی کے اڈیٹر نے اپنے یکم اکتوبر ۱۹۷۷ء کے شمارہ میں اس واقعہ کو اس طرح سپردِ قلم کیا۔

دہلی ۲۷ ستمبر ۱۹۷۷ء

ہم نہایت مسرت وعقیدت کے ساتھ یہ خبر سپردِ قلم کرنے کا فخر حاصل کر رہے ہیں کہ گزشتہ دنوں عالیجناب ماسٹر عبدالرؤف صاحب رؤف امروہوی کے متعلق مدینہ منورہ میں مقیم ایک ہندوستانی انجنیر جناب وقارالاسلام صاحب کو بشارت ہوئی کہ میرا ایک عاشق جس کا نام رؤف ہے ہندوستان میں امروہہ ضلع مرادآباد میں رہتا ہے اس کو بلاؤ۔ ہندوستان میں یہ خبر ایک برقی لہر بن کر ہر قلبِ مسلم کو گرما گئی۔ اللہ اللہ اس انسان کی روحانی

عظمت کا کیا کہنا کہ جس کو خود سرکارِ دوعالم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم یاد فرمائیں اور حاضری کا شرف بخشیں۔

واضح ہو کہ جناب رؤفؔ امروہوی شمالی ہندوستان کے مشہور و معروف نعت گو صاحبِ دیوان شاعر ہیں۔ نعت و مناقب کی محفل رؤف صاحب کے یہاں بعد نمازِ جمعہ تا وقتِ نمازِ عصر پچپن ۵۵ سال سے نہایت پابندی کے ساتھ ہوتی رہی ہے رؤفؔ صاحب کا ہر شعر عقیدت وارادتِ قلبی کا آئینہ دار ہے اور عشقِ رسول کی تڑپ لئے ہوتا ہے۔

۲۶ ستمبر ۱۹۷۸ء کو موصوف دِلّی تشریف لائے جہاں بے پناہ خلقت و ہجوم نے نہ صرف ان کا خیر مقدم کیا بلکہ ان کے درمیان چند لمحے گزارنا اپنے لئے باعثِ تسکینِ روحانی اور مسرّت و شادمانی کا موجب تصور کیا۔

ہندوستان کے مشہور و ممتاز قاری اور مداحِ رسول جناب قاری فرید احمد صاحب دہلوی کی درخواست پر اس عاشقِ رسول نے قاری صاحب کے مکان واقع محلہ سوئی والان دہلی میں قدم رنجہ فرمایا عقیدت اور محبت میں ڈوبے ہوئے بے شمار فدائیانِ توحید و شیدائیانِ اسلام کو اس طرح شرف و نیاز کی سعادت کا فخر حاصل ہوا۔ تقریباً رات کے تین بجے تک نعت و مناقب کی اک حسین و جمیل نورانی و روحانی محفل کا

سلسلہ جاری رہا۔ قاری فرید احمد صاحب نے محترم رؤف صاحب کی خدمت میں منظوم اعزازیہ پیش کیا۔ رضیؔ بدایونی چیف اڈیٹر دارالسلطنت نئی دہلی نے ایک قطعہ تاریخ پیش کیا جس کا تاریخی مادہ "بہ غلام رسول ہے" تھا اور جناب جوہر جے پوری نے ایک نظم پڑھی

دوسرے روز دوپہر کو محترم رؤف صاحب کے عزیز خاص جناب مرزا شجاع الرحمٰن صاحب نے جو ایک مدت سے بسلسلۂ روزگار دہلی میں مقیم ہیں ایک عظیم پُر تکلف دعوت کا اہتمام کیا اور رات کو جناب رؤفؔ صاحب کو ہزاروں شیدائیوں نے نئی دہلی ریلوے اسٹیشن سے بمبئی کے لئے سوار کرایا۔

سفرِ حج کا آغاز

الغرض ۲۹ ستمبر ۱۹۷۷ء کو میں بمبئی پہونچا اور رضا بوصدیق کے مسافر خانہ میں فروکش ہوا، امروہہ کے بہت سے حضرات مقیم بمبئی جو مجھ سے واقف تھے مسافر خانہ میں ملنے آئے اور مبارکبادیں پیش کیں ضیافتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ محشر صاحب امروہوی سے بھی وہاں ملاقات ہوئی جو بڑی پُر لطف تھی، قمر صاحب رضوی اقبال صاحب رضوی اور حشمت علی صاحب نے جو مہمان نوازی فرمائی وہ بھی یادگار رہے گی۔ ان کا خلوص حد بیان سے باہر ہے المختصر ۳ر اکتوبر ۱۹۷۷ء جہاز کی روانگی کی تاریخ آگئی اور میں نے ہندوستان کو خیرباد کہہ دیا۔ جہاز میں ایک ریٹائرڈ پرنسپل عبدالغفار شاہ اور ان کی دختر نیک اختر ڈاکٹر مقبول فاطمہ سے ہر وقت رابطہ رہا مقبول فاطمہ نے مجھے بہت طبی امداد پہنچائی۔ اللہ اس کے بچوں کو اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے عبدالغفار شاہ صاحب سے مخلص محاد اور گلرنگ تخیل کے توسط سے تعلقات میں مزید گہرائی پیدا ہوگئی تھی۔ یہ حضرت سرینگر کے رہنے والے تھے۔ ایک ہفتہ کے سفر کے بعد جہاز جدہ کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا

وہاں ایک رات قیام رہا وہاں سے مکہ معظمہ کو روانگی ہوئی اور ہمارا قافلہ احمد مکی اپنے معلم کے دولت خانہ پر پہنچا اُنھوں نے سارے قافلہ کا سامان اپنے گھر پر رکھوا دیا اور قافلہ کو ساتھ لے کر حرم کعبہ کو پیدل روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ذوق و شوق کے ساتھ صلوٰۃ و سلام اور دیگر مقدس کلمات پڑھتے جاتے تھے۔ حرمِ کعبہ معلّم صاحب کے مکان سے تقریباً تین فرلانگ تھا اتنی دور پیدل چلنا بوجہ اپنی ضعیفی کے مجھے بہت ہمت شکن ثابت ہو رہا تھا مگر حرمِ محترم کو دیکھ کر جو تفریح ہوئی اس کو زبان بیان میں نہیں لا سکتی حرمِ محترم اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے اور اللہ اکبر اللہ اکبر کی مکمل تفسیر۔ قیامِ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں زیادہ تر علیل اور حوادث کا شکار رہا۔

عازمینِ حج کے لئے میرا یہ مشورہ ہے کہ بوڑھاپے میں ارادۂ سفرِ حج نہ فرماویں۔ ساٹھ سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی اس فرض سے سبکدوش ہوں۔

باقی واقعات نظم مندرجہ ذیل میں ملاحظہ ہوں جو امروہہ واپس آنے پر میں نے اپنے خانۂ نعت خوانی میں جمعہ کے روز پڑھی ہے

اے شہنشاہِ زمن اے رحمتِ پروردگار
آپؐ نے دکھلا دیا آخر مجھے اپنا دیار
شکر ہو سکتا نہیں مجھ سے ادا سرکار کا
وہ نوادِ شہہائے بے پایاں نہیں جن کا شمار
جو مناظر دیکھنے کو دل تڑپتا تھا بہت
وہ مناظر سامنے آنکھوں کے آئے بار بار
خانۂ کعبہ پہ جب پہلی نظر جا کر پڑی
دل نکلنے کو ہوا پہلو سے میرے بیقرار
ہو گیا پھر خود بخود فوراً ہی مصروفِ طواف
گردِ شمعِ کعبہ میں پھرنے لگا پروانہ وار
چاہِ زمزم پر جب آ کر آبِ زمزم پی چکا
طاقتِ رفتار نے پھر کی بغاوت اختیار
اب صفا مروہ پہ جا کر سعی کی اس طور سے
ہو گیا میں اک کرایہ کی سواری پر سوار
جب بحمد اللہ ہم عمرے سے فارغ ہو چکے
اپنے گھر لائے معلم حاجیوں کو مستعار

پھر ہمارے قافلے کو اک مکاں دلوا دیا
ہم جہاں رہنے لگے آرام سے لیل و نہار
اب بفضلِ ایزدی اس طرح دن کٹنے لگے
خانۂ کعبہ میں دل رہتا مکاں پہ جسم زار
پھر مدینہ دیکھنے کا شوق تڑپانے لگا
اور اک دن ہو گیا عزمِ مدینہ استوار
تب ہمارا قافلہ سوئے مدینہ چل دیا
باغِ جنت کی فضائیں جس کی گلیوں پر نثار
جلوہ فرما جس جگہ ہیں مالکِ دُنیا و دیں
بارشِ انوار ہوتی ہے جہاں لیل و نہار
اللہ اللہ اُس دیارِ پاک کی رعنائیاں
جس کے آگے جنت الفردوس بھی ہے شرمسار
زندگانی کا اُسے حاصل نہ سمجھوں کس طرح
تھا یہ وہ دن جس کا ساری عمر سے تھا انتظار
رکھ کے اک کمرے میں سامانِ عزیزی چل دیا
جستجو میں گنبدِ خضرا کی میں دیوانہ وار

صبح کو جب میں نمازِ باجماعت پڑھ چکا
پوچھا لوگوں سے کہاں ہے گنبدِ گردوں وقار
بولے وہ موجود تیرے سامنے ہیں جالیاں
ہیں وہاں آرام فرما دو جہاں کے تاجدار
جالیوں کی سمت میں لپکا مگر اس بھیڑ میں
کب پہونچنے دے رہا تھا مجھ کو میرا حالِ زار
ہو کے میں مجبور بیٹھا جالیوں کے سامنے
اور نگاہیں لے رہی تھیں اُن کے بوسے بار بار
جب توانائی نے میری دیدیا مجھ کو جواب
لوٹ آیا ہو کے دل میں اپنے بیحد شرمسار
دوسرے دن میں نے کی جا کر مواجہ کی تلاش
جس جگہ سے سامنے ہوتا ہے آقا کا مزار
اب تو تھا میں روبروئے سرکارِ والا جاہ کے
موجزن بحرِ محبت دل میں آنکھیں اشکبار
کہہ رہا تھا یا نبی اللہ اُنظُر حالنا
یا رسول اللہ ایک چشمِ کرم برحالِ زار

السّلام اے جانِ عالم بادشاہ بحر و بر

السّلام اے ہادیِ دیں انبیاء کے افتخار

پھر ذرا دائیں طرف ہٹ کر دہیں میں نے کہا

السّلام اے افضلِ اُمّت نبیؐ کے یارِ غار

اور کچھ بائیں طرف ہٹ کر کیا میں نے خطاب

السّلام اے حضرتِ فاروقؓ اُمّت کے وقار

عرضیاں پھر بیشتر اصحاب کی میں نے پڑھیں

جن میں لاتعداد ارماں آرزوئیں بے شمار

مجھ سے جیسے ہو سکا اُن کی نیابت میں نے کی

اور کہا ہیں سب یہ لطفِ خاص کے اُمیدوار

آپ ہیں اللہ کے محبوب اُمّت کے شفیع

ہم غریبوں کے سہارے بیکسوں کے غمگسار

ہائے وہ کچھ روز دربارِ نبیؐ کی حاضری

ہائے وہ پُر درد اندازِ بیانِ حالِ زار

پھر مدینے سے ہوا رخصت بایں حالِ تباہ

چشم گریاں، سینہ بریاں آہ بر لب، دل فگار

تھے بس اب مکّہ میں "حج کے پانچ دن" پیشِ نظر

اور یہی اک فکر رہتا تھا دماغوں پر سوار

ہو گئے حج کے فرائض خیر و خوبی سے ادا

اب قبولیت کا ہے مرضیٔ حق پر انحصار

آخری ارکان اتنے قیمتی ثابت ہوئے
جو رقم تھی ہوگئی ساری ضعیفی کا شکار
بعد اس کے واپسی کی فکر دامنگیر تھی
گرچہ دل کو اس فضا کا چھوڑنا تھا ناگوار
واپسی آخر مقدر میں لکھی تھی ہو گئی
اور جدہ میں ہمیں کرنا پڑا کچھ انتظار
چار شنبہ آگیا ذی الحجہ کی تھی اُنیسویں
ہو گئے اُس دن جہازِ واپسی پر ہم سوار
اب کیا ہم نے عرب کی سرزمیں کو خیرباد
جس کی خاطر چھوڑ کر آئے تھے ہم اپنا دیار
کرنہیں سکتا بیاں بابو میاں کی شفقتیں
میری خاطر آپ کا تشریف لانا بار بار
اک حسین احمد تھے اور دِلّی کی اک خاتون تھیں
قافلے کے تھے یہ دونوں ہی بڑے خدمت گزار
بمبئی میں آکے مہمانِ خلیق احمد ہوئے
پیکرِ خلق و محبت نیک طینت ہونہار
روز افزوں ہو ترقی اُن کے کاروبار میں
کامرانی شادمانی سے رہیں یہ ہم کنار

جلسۂ اقدس کی زینت حاضرینِ محترم
دیکھنے کو آپ کے پہلو میں دل تھا بیقرار

میری غیبت میں بھی تکلیف آپ فرماتے رہے
اس نوازش کا صلہ بھی آپ کو دے کردگار

حج و عمرے کی سعادت آپکو بھی ہو نصیب
آپ بھی دیکھیں کبھی جا کر مدینے کی بہار

حجِ بیت اللہ کر کے آگیا واپس رؤفؔ
آپ کا خادم نبیؐ اللہ کا مدحت نگار

جس روز وارِد امروہہ ہوا جمعرات کا دن تھا دوسرے روز جمعہ تھا محفل نعت خوانی حسبِ معمول منعقد ہوئی۔ اکثر نعت خوانوں نے میری واپسی کی تقریب میں استقبالیہ نظمیں پڑھیں میں نے بھی مندرجہ بالا نظم نذرِ سامعین کی محفل میں غیر معمولی جوش و خروش تھا۔ برخوردار سیفی سلمہ، نے اپنے فرزند ارجمند مرزا زبیر احمد سلمہ سے اپنی یہ نظم پڑھوائی جس میں عقیدت کا دریا موجزن ہے۔

عاشقِ زارِ نبیؐ لوٹے دیارِ پاک سے
جانے کیا کیا لے کے آئے ہیں شہِ لولاکؐ سے ب

کس طرح اُن کو بُلایا، کس طرح رخصت کیا
یہ تعلق ماورائے فہم سے ادراک سے
سرورِ عالم کے قدموں کی جہاں ہیں برکتیں
مَس ہوئی ہے ان کی پیشانی وہاں کی خاک سے
ان کو وہ نعمت میسر آئی جو ممکن نہ تھی
مرتبہ اُن کا فزوں ہے رُتبۂ افلاک سے
ہاں انھیں اشکِ ندامت ہی کہو نسبتی ہم کہ یہ
ہیں خوشی کے وقت جاری دیدۂ نمناک سے

زبیر احمد سلمہٗ کے بعد نورِ چشم ساجد حسین ساجدؔ نے اپنی نذرِ عقیدت ان الفاظ میں پیش کی۔

جو آپ لائے ہیں اُس رحمتوں کے دریا سے
ہمیں بھی کچھ ہو عنایت کہ ہم بھی ہیں پیاسے
خوشا نصیب حبیبِ خلیلؔ حق ٹھہرے
شرف یہ آپ نے پایا ہے اپنے مولا سے
وہ آپ ہیں جو سرافرازِ لطفِ خاص ہوئے
وہ آپ ہیں کہ بُلائے گئے جو طیبہ سے
بفیضِ حق وہ تمنا بھی ہو گئی پوری
حسین ہے جو تمنا ہر اک تمنا سے
ہے پاسِ شرع مگر دل کی تو یہ حالت ہے
ملا دیں ہم یہ جبیں آپ کے کفِ پا سے
ہمیں تو آپ ملے یہ تو آپ ہی جانیں
ملا ہے آپ کو کیا کیا دیارِ طیبہ سے
ہمیں یہ جشنِ مسرت ہو بار بار نصیب
ہے التجا یہی ساجدؔ کی حق تعالیٰ سے

ایک ہفتہ کے بعد عشرۂ محرم کی مجلس منعقد ہونے والی تھی اس کے اہتمام میں مصروف ہو گیا اس کی اہمیت بھی میری نظر میں کچھ کم نہیں ہے یہ بھی پچپن سال سے برابر ہوتی رہی ہے۔ ابراہیم خان مرحوم اپنے زمانہ کے مشہور میلاد خواں نے یہ مجلس چالیس سال متواتر پڑھی اُن کے بعد اُن کے جانشینوں نے یہ فریضہ انجام دیا مگر یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اس سال مجبور ہو کر چند کتابوں کی مدد سے میں نے خود شہادتِ امام حسینؓ کا بیان ترتیب دیا اور سب سے چھوٹے خادم زادے آصف حسین عرف اچھے میاں سلمہ سے پڑھوایا۔ مجلس اُمید سے کہیں زیادہ کامیاب رہی۔ بیان کے درمیان نظمیں موقعہ کے مناسب نٹ کر دی گئی تھیں جو تخت پر بیٹھے ہوئے دوسرے نعت خواں پڑھتے جاتے تھے۔

۱۲ ربیع الاوّل کو محفل میلاد النبی منعقد ہوئی اس کا بیان بھی اسی طرح ترتیب دیا گیا تھا۔ یہ مجلس تیسرے خادم زادے ساجد حسین سلمہ نے پڑھی۔ بڑا پُر کیف جلسہ رہا۔ سامعین نے اُن کی بڑی ہمت افزائی فرمائی۔ یہ دونوں مجلسیں بھی سالانہ اسی التزام و احترام کے ساتھ منعقد ہوتی ہیں جس سے جمعہ کی نعت خوانی کا جلسہ ہوتا ہے۔ یہ ایک سال میں چند مجلسیں مجھے غذائے رُوح فراہم کرتی ہیں اور تسکین قلب کا

باعث ہوتی ہیں۔

دوسرے خادم زادے حامد حسین حامد کے اصرار پر مئی سنہ ۷۸ء کے پہلے ہفتہ میں علی گڑھ کا دورہ کیا وہاں بہت سے حضرات مشتاقِ ملاقات تھے اُن سے شرفِ نیاز حاصل کیا اُن میں جناب مولوی احمد اللہ صاحب مدظلہ قاضی و امام جمعہ و جماعت علی گڑھ یادگار مولوی لطف اللہ صاحب مرحوم و مغفور شیخ الحدیث و تفسیر سے ملاقات قابلِ ذکر ہے۔

سنہ ۱۹۱۵ء میں ایم، اے، او کالج میں یہ جناب میرے ہم جماعت اور ہم سبق تھے اُس وقت بھی امامِ جمعہ و جماعت تھے۔ اور آج بھی فریضہ امامت اسی طرح انجام دے رہے ہیں۔

میرے حالات سُن کر جہاں میں فروکش تھا وہیں بہ نفسِ نفیس قدم رنجہ فرمایا، بغلگیر ہوئے بہت ہی اظہارِ مسرت کیا۔ خوش قسمتی سے میرے ہم مسلک ہم مذہب اور ہم عقیدہ بھی تھے، اُن کی خوشی کی کوئی حد نہ تھی، میں بھی اُن کی باتوں سے بے حد مسرور ہوا، میں نے اُنھیں کچھ اشعار سُنائے جو مدینہ منورہ سے طلبی کے محرک تھے۔ سُن کر بہت محظوظ ہوئے اور میرے اصرار پر اپنی مندرجہ ذیل نظم سُنائی جو ہدیہ ناظرین ہے۔

میں نے کی عرض مولا مجھے بھیک دے
میں بھکاری ہوں داتا مجھے بھیک دے
میری جانِ تمنا مجھے بھیک دے
تجھ سے طالب ہوں تیرا مجھے بھیک دے
اپنی رحمت کا صدقہ مجھے بھیک دے

اے غریبوں کے حامی مجھے بھیک دے
اے یتیموں کے والی مجھے بھیک دے
باغِ وحدت کے مالی مجھے بھیک دے
میری جھولی ہے خالی مجھے بھیک دے
اپنے پیارے کا صدقہ مجھے بھیک دے

آئی آواز یوں اے بھکاری مرے
ہوش میں آ ذرا اے پجاری مرے
کام یوں تو ہیں سب اختیاری مرے
پر جو ہیں جانِ حاجت براری مرے
بھیک لینا ہے گر اُن سے جا بھیک لے

سنتے ہی دل کو میرے یہ سودا ہوا
چل کے دیکھیں کہ ہے کون وہ مہ لقا

جذبِ دل سوئے طیبہ مجھے لے گیا
چوم کر آستانے کو میں نے کہا
تاجدارِ مدینہ مجھے بھیک دے

اے خدا کے دُلارے مجھے بھیک دے
عرشِ اعظم کے تارے مجھے بھیک دے
بیکسوں کے سہارے مجھے بھیک دے
آ پڑا تیرے دوارے مجھے بھیک دے
اپنی اُمت کا صدقہ مجھے بھیک دے

بولے حُسن طلب ہے تو آ بھیک لے
بھیک لینے کی صورت بنا بھیک لے
دُور کر دل سے حرص و ہوا بھیک لے
اپنی جھولی کو آگے بڑھا بھیک لے
پھر جو مانگے تو اس سے سوا بھیک لے

یہ کہا اور گنجِ فراواں دیا
بے نوا کو خدائی کا ساماں دیا
معرفت کی عطا نورِ عرفاں دیا
لاکھ دینے کا دینا ہے قرآں دیا
اور کہا اب نہ کہنا مجھے بھیک دے

مجھ کو سودائے زلفِ پریشاں دیا
اضطرابِ جگر سوزِ پنہاں دیا
دل لگی کا غرض جملہ ساماں دیا
دردِ دل سے سوا دل کا درماں دیا
اس سے بڑھ کر کوئی اور کیا بھیک دے

بے نیازی ہوئی خود نیاز آشنا
ناز کرنے لگا بندۂ بے نوا
یہ نہ پوچھو کہ احمد کو کیا کیا ملا
بھر گئی ساری جھولی تو عقدہ کھُلا
خود کہا بھیک دے خود کہا بھیک لے

غرض اُن کی معیت میں یہ ایک گھنٹہ کا وقت بہت ہی فرحت بخش نشاط انگیز اور ایمان پرور ثابت ہوا۔

۲۶ رجون ۱۹۷۵ء کو ایک عزیز قریب ہزاری باغ سے تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ میں نے ایک شعر آپ کی نذر کیا تھا آپ تک وہ پہنچا یا نہیں۔ میں نے عرض کیا ابھی تک تو پہنچا نہیں وہ شعر کیا تھا؟ بولے

قمر اک عمر کی بگڑی ہوئی ہر بات بن جاتی
مقدر مجھ کو مل جاتا روف امروہوی جیسا

۱۴ ار ستمبر ۱۹۷۵ء مطابق ۱۰ ار شوال ۱۳۹۵ھ کو درگاہ میاں موج میں سالانہ نعتیہ مشاعرہ حسب معمول منعقد ہوا۔ جس میں مصرعہ طرح تھا۔

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

نعت مندرجہ ذیل نذرِ مشاعرہ کی۔ ملاحظہ ہو۔

کیسا اہم مقام ہے یارانِ دیدہ ور
ممدوحِ رب کی مدح ہے اور ایک بے ہُنر

ہے عکس اُن کے نُور کا یہ شمس یہ قمر
صدقہ ہے سب حضور کا کیا شام کیا سحر

ہر درد کا علاج دو عالم کا چارہ گر
دیکھا ہے ان صفات کا ایسا کوئی بشر

کیا تجربے میں آئی ہے ایسی کوئی مثال
اک بوریا نشین، شہنشاہِ بحر و بر

چاروں طرف تلاش میں کرتا پھرا مگر
ثانی کوئی حضور کا آیا نہیں نظر

آتی تھی بُو پسینے میں اُن کے گلاب کی
سایہ کسی نے آپ کا دیکھا نہ عمر بھر

ان کا عروج کر نہیں سکتا کوئی بیاں
دیں ساتھ جبرئیلؑ تو جل جائیں اُن کے پَر

حیراں ہے عقل اُن کے کمالات دیکھ کر
ٹپکا ہو پارہ دیکھی ہے ایسی کوئی کمر

بوجہل نابکار کی حیرانیاں نہ پوچھ
مٹھی میں اُس کی کلمہ پڑھے آپ کا حجر

اک شب کو اہلِ کفر نے دیکھا یہ حال بھی
اُنگلی کے اک اشارے سے شق ہو گیا قمر

وہ جانِ انبیاء رحمتِ شانِ کبریا
حق کی صفات رکھتے تھے کہنے کو تھے بشر

یارانِ باصفا کے بھی اوصاف دیکھئے
خوش حال خوش خصال خوش اطوار خوش سیر

صدیقؓ جن میں بعدِ نبیؐ افضل البشر
پھر اُن کے بعد ہیبتِ حق حضرت عمرؓ

عثمانؓ ان بعد آپ کے گنجینۂ حیا
مولیٰ علی پہ ختم شجاعت کے سب ہنر

اُمت میں اختلاف کا نام و نشاں نہ تھا
اصحاب سارے شیر و شکر تھے بہم دگر

مولیٰ علیؓ جنابِ عمرؓ کے تعلقات
وہ ان کے نام پر یہ فدا اُن کے نام پر

ہم پر بھی اک نگاہِ کرم کیجئے حضورؐ
اب لیجئے اس اُمتِ عاصی کی بھی خبر
ہم اپنے حالِ زار سے غافل ہیں اسقدر
آنکھیں ضرور ہیں مگر آتا نہیں نظر
ہر شخص جانتا ہے کہ درپیش ہے سفر
اور مرگِ ناگہاں سے کسی کو نہیں مفر
لیکن کسی کے کان پہ جُوں رینگتی نہیں
یہ کونسا مقام ہے اے میرے راہبر
تم میرے پاس تھے مجھے اس کی نہ تھی خبر
میں پھر رہا تھا ڈھونڈتا تم کو اِدھر اُدھر
اغیار کے دلوں کی تمنا تو تھی یہی
میری شبِ فراق کی ہرگز نہ ہو سحر
لیکن عطا کے آپ کی قربان جائیے
سُن لی مری پکار یہیں سیدالبشرؐ
اتنے دنوں کے بعد ہوا اب یہ انکشاف
رکھتے ہیں آپ اپنے غلاموں پہ یوں نظر

۸۰

اور یوں نوازشات کی کرتے ہیں بارشیں
رہ جائیں دنگ اہلِ نظر حسن کو دیکھ کر

لاکھوں درود آپ پر اے فخرِ کائنات
لاکھوں درود آپ کے اصحاب و آل پر

دنیا میں ان کے چاہنے والے ہیں جس قدر
مژدہ ہو اُن کو رہتے ہیں وہ سب سے باخبر

ہر وقت اُن کی یاد ہو ہر لحظہ اُن کی یاد
اُن کے ہی ذکرِ خیر میں سب عمر ہو بسر

تصویر ایسی لا کے دکھا جس میں اے رؤفؔ
تیرا سرِ نیاز ہو اور اُن کا سنگِ در

قطعہ

اک دن ہوا میں اُن سے تصور میں ہم کلام
گویا حضورؐ تختِ شہی پر ہیں جلوہ گر

میں نے کہا ہے آپ کے طالب کی کیا شناخت
بولے نہ فکرِ جاہ نہ سودائے سیم و زر

میں نے کہا کہ دوزخ و جنت میں کیا ہے فرق
بولے وہ آگ کا ہے یہ ہے نعمتوں کا گھر

میں نے کہا کہ عالم و جاہل میں امتیاز

بولے وہ شمع راہ وہ بیکار و بے بصر

میں نے کہا کہ عالم دیں کا ہے فرض کیا؟

بولے کہ احترامِ شریعت بہ کرّ و فر

میں نے کہا کہ کیا ہے طریقت کی رسم و راہ

بولے کہ راستہ ہے طریقت کا پُر خطر

یہ راہ خاص خاص ہی لوگوں کا ہے طریق

اس پر عوام کر نہیں سکتے کبھی سفر!

میں نے کہا کہ مفتیٔ دوراں کی کچھ صفت

بولے حدودِ شرعِ پیمبر سے باخبر

میں نے کہا کہ آپ کے عاشق کا مشغلہ

بولے کہ آہ و نالۂ شب گریۂ سحر

میں نے کہا ہے اور بھی اس کا کوئی نشاں

بولے نہ دیں کا ہوش نہ دُنیا کی کچھ خبر

میں نے کہا کہ جورِ فلک کا کوئی علاج

بولے کہ اپنے نامۂ اعمال پہ نظر

حضرت قطب علیہ الرحمہ نے اپنی کسی مصلحت کے تحت اپنے آبائی مکان کو
اپنے اہل و عیال پر چھوڑ کر غریب خانہ کے بالکل متصل ایک مکان کرایہ پر لیا
جس میں تنہا رہنے لگے۔ لیکن اُن کے طرزِ عمل سے مجھے یہ محسوس ہوا کہ اس
نقلِ مکاں میں میری کچھ باطنی تعلیم و تربیت کا راز بھی مضمر تھا۔ مثال ملاحظہ ہو۔
ایک روز میں نے بصد منت و سماجت عرض کیا کہ آپ کوئی خدمت میرے سپرد کریں تاکہ
میں بطیبِ خاطر اس کو انجام دوں۔ پہلے تو انکار کر دیا مگر میرے بے حد اصرار سے مجبور ہو کر
فرمانے لگے، اچھا دیکھو اس گھڑونچی پر ایک پیالہ رکھا ہُوا ملیگا اور اس کے پاس دو پیسے
بھی۔ جب تم رات کو کوٹھی پر سے پڑھا کر آیا کرتے ہو تو اس وقت ہم تو اپنے ذکر میں
مصروف ہوں گے مگر تم نے پیالہ اور پیسے اُٹھائے اور دودھ لا کر رکھدیا۔ مگر دیکھنا اس
عرصہ میں ہم سے بولنا نہیں اور یہ بھی یاد رکھنا کہ دودھ کی دو دُکانیں ہیں اِس پر سے
لینا اور اُس پر سے نہیں۔ کواڑوں میں بلائی ایسی لگائی تھی کہ صرف میں ہی اس کو
کھول سکوں اور کوئی دوسرا نہیں۔ میں نے یہ خدمت شروع کر دی۔ بہت مدت کے بعد
ایک روز ایسا اتفاق ہُوا کہ وہ دوکان جس سے میں دودھ لیا کرتا تھا بند تھی اور
دوسری ممنوعہ دوکان کھلی ہُوئی تھی۔ یہ دیکھ کر میرے دل نے کہا کہ آج تو اس ممنوعہ دوکان سے
ہی دودھ لینا پڑیگا۔ میں نے حسبِ معمول پیالہ اور پیسے اُٹھائے اور چل پڑا ابھی دروازے
ہی میں تھا کہ اتنے دنوں میں صرف اُس روز اپنے ذکر کے درمیان با آوازِ بلند فرمایا کہ دیکھو جس
دوکان سے ہم نے منع کیا ہے، اُس پر سے دودھ مت لینا۔ اس انتباہ سے میں چونک پڑا
دروازہ تو بند کر دیا مگر سڑک پر کھڑے ہو کر سوچنے لگا کہ کیا کروں۔ یکایک خود بخود جنوب کی جانب رُخ

ہو گیا اور بہت دور جا کر بہزار احتیاط ایک دوکان سے دو دھ لا کر رکھ دیا۔ اسطرح دل کے خطرات کی گرفت ہوتی تھی۔ ایک روز مرادآباد میں ایک صاحب باطن بزرگ حضرت عبد اللہ شاہ صاحب جو گنبد والی زیارت پر رہتے تھے مجھ سے فرمانے لگے کہ تمہارے حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ تم اپنے پیر و مرشد کے مزار پر جا کر فاتحہ پڑھو۔ میں وہاں سے آگرا ان کے قبرستان میں گیا، مزار تلاش کیا مگر کوئی نشان اُن کی قبر کا نظر نہ آیا ناکام ہو کر لوٹ آیا، دوسرے روز ان کے صاحبزادے کو رکشا میں بٹھا کر قبرستان لے گیا انہوں نے بھی بہت تلاش کیا مگر قبر کا کوئی نشان نہ ملا۔ آخر جہاں اندازہ نے یقین دلایا وہیں کچھ اینٹیں رکھ کر فاتحہ پڑھ لی۔ جب اس کے بعد شاہ صاحب موصوف سے ملاقات ہوئی اور میں نے یہ حالات بتائے تو فرمایا تم نے ٹھیک کیا ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔ قبر کا نشان نہ ملنے پر بیساختہ عنقا بدایونی کا یہ شعر میری زبان پر آگیا ؎

جو سالکانِ طریق فنا ہیں اے عنقاؔ
وہ چھوڑ جاتے نہیں نام بھی نشاں کی طرح

آخر میں عالیجناب حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی کا جو اس تالیف کے محرک ہوئے اور پھر بابو ظہیر احمد صاحب کا جنہوں نے پُر زور تائید فرمائی اور میاں شکر احمد فاروقی کا جنہوں نے اسمیں سُرخیاں قائم کیں اور پھر حضرت شہبازؔ کا جنہوں نے اس کتاب کو بغور سُنا اور نام تجویز کیا تہ دل سے سپاس گزار ہوں اور دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر سے نوازے۔

ناچیز عبدالرؤف، رؤفؔ امروہوی

مصنف کتاب ہذا کا

دوسرا دیوانِ مجاز

گلرنگِ تخیل ۱۳۶۰ھ

جسمیں

جناب رؤف امروہوی کی نہایت پرکیف غزلوں اور دلچسپ خمسوں کا
مجموعہ ہے اور زبان کی سلاست و صفائی خیالات اور جذبات کی پاکیزگی
کے ساتھ عام دلچسپی کے لحاظ سے دُنیائے اُردو ادب میں ایک یادگار اور
قابل قدر اضافہ ہے ــــ شائقین شعر و سخن ایسے آسان، سلیس، وجد آفرین،
اور لطیف مجموعۂ تغزل کو حاصل کر کے بیان کی لطافت، زبان کی فصاحت،
اور انداز کی بیساختگی سے لطف اندوز ہوں ۲۰×۳۰/۱۶ سائز کے
۱۹۲ صفحات - قیمت: پانچ روپیہ -

حسب ذیل پتوں سے حاصل کیجیے

احمد حسین سیفی محلہ سدّو امروہہ (یو۔پی)

نیشنل بک ڈپو بازار گذری امروہہ

منشی صدرالحسن تاجر کتب بازار گھیر مناف

امروہہ

مصنف کتاب ہٰذا کی

تیسری تصنیف

۱۳-۵-۷۴

کوثرِ رحمت

جسمیں

نعت سیدالکونین رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم، مدح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، مناقب اہل بیت عظام رض و اولیائے عالی مقام کی دنیائے دل کو روشن اور منوّر کرنے والی روح پرور غزلیں اور پُرکیف خمسے شامل ہیں۔

شیدایانِ رسولؐ اس مقدّس مجموعہ کو حاصل کرکے عشقِ رسولؐ اور اپنے ذوقِ ایمانی کو تازہ کریں۔

سائز ۲۰×۳۰ ضخامت ۱۶۰ صفحات۔ قیمت ۳-۵۰

ان پتوں سے حاصل کیجئے:

- محمد حسین سیفی۔ محلہ سدّو، امروہہ ۱۶
- خورشید بک ڈپو۔ بازار گذری، امروہہ
- نیشنل بک ڈپو۔ بازار گذری، امروہہ
- منشی صدرالحسن تاجر کتب بازار گھیر مناف، امروہہ